قرآن وسنت اور اسلاف امت کی تعلیمات کا داعی
دینی، علمی، ادبی، تحقیقی اور اصلاحی مضامین کا حامل

مجلّہ صدائے حق بنگلور

سرپرست

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری زیدت معالیھم

استاذ حدیث ومدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

مدیر

عبدالرزاق بنگلوری

نائب مدیر

مفتی عبدالرحمٰن بنگلوری

ناشر

مجلس، صدائے حق اسلامک پورٹل بنگلور-78

قرآن وسنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا داعی

دینی، علمی، ادبی، تحقیقی اور اصلاحی مضامین کا حامل

مجلّہ

صدائے حق بنگلور

جلد:۰۳	شمارہ:۰۵	ماہ نومبر ۲۰۲۲ء	ماہ ربیع الثانی ۱۴۴۴ھ

سرپرست

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری دامت برکاتہم

استاذِ حدیث ومدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

مدیر	نائب مدیر
عبدالرزاق بنگلوری	مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری

مجلس ادارت

مفتی محمد علی صاحب قاسمی

مولانا محمد اُویس صاحب رشادی

مولانا عبداللطیف صاحب قاسمی

مجلسِ مشاورت

مولانا اشرف صاحب قاسمی

مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری

مفتی عبدالفتاح صاحب قاسمی

ADVERTISEMENT TARIFF

Full Page (Title Back Cover)	6000/-
Full Page (Title Inner Cover)	5000/-

Black and White

Full Page (Inside Pages)	2000/-
Half Page (Inside Pages)	1000/-
Cuarter Page (Inside Pages)	500/-

Phone Pe & Google Pay:7406464533

مضمون نگار کی آرا سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں

شائع کردہ

مجلس: صدائے حق اسلامک پورٹل بنگلور 78

فہرست مضامین

عناوین	مضامین	اسمائے محررین	صفحہ نمبر
اداریہ	عقیدۂ ختمِ نبوت کا تحفظ اور اس کی بقاء	عبدالرزاق بنگلوری	۳
درسِ حدیث	حقیقی مالداری دل کا غنیٰ ہے	مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری	۶
سیرتِ صحابہؓ	سیرت سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ (قسط ششم)	مفتی محمد عمران صاحب قاسمی	۱۱
اصلاحِ معاشرہ	علماء اور حکومت	مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی	۱۶
// // //	بچوں کے ساتھ بھلائی کرنا	مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری	۲۲
// // //	اپنے حاسدین کا شکریہ ادا کیجیے	مفتی محمد اسجد صاحب ندوی قاسمی	۲۹
// // //	طلبۂ عزیز سے صاف صاف باتیں (قسط اوّل)	مولانا محمد اویس صاحب رشادی	۳۲
// // //	زم زم؛ فضائل اور آداب	مفتی عبداللطیف صاحب قاسمی	۳۸
تذکرۂ اولیاء	حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کا مقام اُن کے مشائخ کی نگاہ میں	مولانا عمرین محفوظ رحمانی صاحب	۴۸

اطلاعِ عام

نوٹ: مضمون نگار اپنے مضامین مندرجہ ذیل ای میل (E-mail) یا واٹسیپ (WhatsApp) پر ان پیج (InPage) فائل روانہ کر سکتے ہیں، **جزاکم اللہ خیراً وأحسن الجزاء.**

Email: muftiabdurrahman57@gmail.com
Whatsapp No: 09620795460 - 9739349433

اداریہ

عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ اور اُس کی بقاء

از: عبدالرزاق بنگلوری

دَورِ موجود میں عقیدۂ ختم نبوت پر اغیار کا بہت تیزی کے ساتھ حملہ ہو رہا ہے؛ حالانکہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے سب سے اہم عقیدہ ''عقیدۂ ختم نبوت'' ہے، عقیدۂ ختم نبوت اسلام کا قطعی اور اجماعی عقیدہ ہے، جس کا تعلق اسلام کے بنیادی عقائد سے ہے، جس پر ایمان لانا بھی ہر مسلمان پر فرض ہے یعنی ایک مسلمان اِس بات پر ایمان رکھے کہ حضور تاج دار ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں اور سلسلۂ نبوت ورسالت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا ہے، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک نہ کوئی نیا نبی آئے گا، نہ کوئی رسول آئے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب، شریعتِ مطہرہ اور تعلیمات تا قیامت ہدایت اور نجات کا آخری سرچشمہ ہیں۔

اِس فتنہ انکارِ ختم نبوت اور دعویٰ نبوت کرنے والے کو جڑ سے اُکھاڑنے والے سب سے پہلے محافظ ختم نبوت، خلیفۂ اوّل، امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، آپؓ نے فتنہ انکارِ ختم نبوت کی ہر طرح سے سرکوبی کی اور آپؓ کے حکم پر ہزاروں صحابۂ کرامؓ نے نبوت کا دعویٰ کرنے والے مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگِ یمامہ میں شرکت کی، سیکڑوں صحابۂ کرامؓ نے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے جامِ شہادت نوش کیا اور مدعیٔ نبوت مسیلمہ کذاب اور اس کے متبعین اپنے منطقی انجام کو پہنچ گئے۔

اِس بات پر اُمت کا اجماع ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر طرح کی نبوت ختم ہو چکی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کی نبوت باقی نہیں رہی، یہ نہ صرف اُمت کا اجماعی عقیدہ ہے؛ بلکہ قرآنِ حکیم میں سو سے زیادہ آیات ایسی ہیں جو اشارۃً یا کنایۃً عقیدہ ختم نبوت کی تائید وتصدیق کرتی ہیں، خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی متعدد اور متواتر احادیث میں خاتم النبیّین کا یہی معنیٰ متعین فرمایا ہے؛ لہٰذا اب قیامت تک کسی قوم، ملک یا زمانہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور نبی یا رسول کی کوئی ضرورت باقی نہیں اور مشیتِ الٰہی نے نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا ہے۔

چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں: ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ (الاحزاب: ۴۰) آسمانی صحائف میں ہمیشہ اگلے رسول کے بارے میں اُمت سے عہد لیا جاتا تھا کہ وہ ان پر ایمان لائیں گے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی آمد ممکن ہوتی تو

ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ نے پوری اہمیت اور وضاحت کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا ہوتا؛ لیکن قرآن مجید نے کہیں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا؛ بلکہ اس کے برعکس بہت ہی واضح الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا اعلان فرمایا گیا اور اشارۃً تو کتنے ہی مقامات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نبوت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

حدیثیں اس سلسلہ میں اتنی کثرت اور وضاحت کے ساتھ مروی ہیں کہ ان کا احاطہ دشوار ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری اور انبیاء کی مثال ایسے محل کی ہے جسے نہایت ہی خوب صورت طریقہ پر بنایا گیا ہو اور اس میں ایک اینٹ کی جگہ بچی ہو، دیکھنے والے اسے دیکھتے ہوں اور اس کے حسنِ تعمیر پر حیرت زدہ ہوں، سوائے اس اینٹ کی جگہ کے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مَیں وہی اینٹ ہوں، مجھ پر عمارت مکمل ہوگئی ہے، رسولوں کا سلسلہ ختم ہوا اور میں آخری نبی ہوں۔ (بخاری:۱/۵۰۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ چھ باتوں میں آپ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی گئی، اُن میں دو باتیں یہ تھیں کہ: آپ تمام مخلوقات کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے اور مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ (مسلم:۱/۹۹)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ عنقریب میری اُمت میں تیسیوں جھوٹے نبی پیدا ہوں گے، جو کہیں گے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں؛ حالاں کہ میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔ (ابوداؤد:۱/۵۸۴)

دارمی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں پیغمبروں کا قائد اور خاتم ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔ (دارمی، حدیث نمبر ۴۹)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک نام ''عاقب'' بتایا اور پھر اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا یعنی وہ جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو: ''**العاقب و العاقب الذي ليس بعده نبي**''. (بخاری:۱/۵۰۱)

حدیثوں نے اِس بات کو بھی واضح کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی طرح کی نبوت باقی نہیں رہی؛ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میرے بعد نبوت کی گنجائش ہوتی تو تم نبی ہوتے: ''**لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ**''. (ترمذی:۲/۲۰۹)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ: تم میری نسبت سے ویسے ہی ہو جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہارون علیہ السلام تھے، سوائے اِس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا: ''**أَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى إِلَّا أَنَّهُ لَانَبِيَّ بَعْدِيْ**''. (بخاری:۲/۶۳۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلسلۂ نبوت اور رسالت کی آخری کڑی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ حق

ترجمان سے اپنی ختم نبوت کا واضح الفاظ میں اعلان فرمایا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلا رَسُوْلَ بَعْدِيْ وَلَانَبِيَّ". (ترمذي، الجامع الصحيح، كتاب الرؤيا:٤/١٦٣، باب: ذهبت النبوة، رقم:٢٢٧٢)

ترجمہ: اب نبوت اور رسالت کا انقطاع عمل میں آچکا ہے؛ لہٰذا میرے بعد نہ کوئی رسول آئے گا اور نہ کوئی نبی۔

اِس حدیث پاک سے ثابت ہوگیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو کوئی بھی نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ملعون اور ابلیس کے ناپاک عزائم کا ترجمان ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے جھوٹے دعویداروں کی نہ صرف نشان دہی کردی؛ بلک ان کی تعداد بھی بیان فرمادی تھی، حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہیکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَنَّهُ سَيَكُوْنُ فِيْ أُمَّتِيْ ثَلاثُوْنَ كَذَّابُوْنَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَانَبِيَّ بَعْدِيْ.

(ترمذي، السنن، كتاب الفتن، باب: ماجاء لاتقوم الساعة حتى يخرج كذابون:٤/٤٩٩، رقم:٢٢١٩)

ترجمہ: میری امت میں تیس (۳۰) اشخاص کذاب ہوں گے اُن میں سے ہر ایک کذاب کو گمان ہوگا کہ وہ نبی ہے؛ حالاں کہ میں خاتم النبیّین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اگر کوئی شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت یا رسالت کا دعویٰ کرے (خواہ کسی معنیٰ میں ہو) وہ کافر، کاذب، مرتد اور خارج از اسلام ہے؛ نیز جو شخص اس کے کفر وارتداد میں شک کرے یا اسے مؤمن، مجتہد یا مجدد وغیرہ مانے وہ بھی کافر ومرتد اور جہنمی ہے۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روئے زمین کی ہر قوم اور ہر انسانی طبقے کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب قرآن مجید تمام آسمانی کتب کے احکام منسوخ کرنے والی اور آئندہ کے لیے تمام معاملات کے احکام وقوانین میں جامع ومانع ہے۔ قرآنِ کریم تکمیلِ دین کا اعلان کرتا ہے، گویا انسانیت اپنی معراج کو پہنچ چکی ہے اور قرآنِ کریم انتہائی عروج پر پہنچانے کا ذریعہ ہے، اس کے بعد کسی دوسری کتاب کی ضرورت ہے نہ کسی نئے نبی کی حاجت؛ چناں چہ امتِ محمدیہ کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا، انسانیت کے سفرِ حیات میں وہ منزل آپہنچی ہے کہ جب اس کا ذہن بالغ ہوگیا ہے اور اسے وہ مکمل ترین ضابطۂ حیات دے دیا گیا جس کے بعد اب اسے نہ کسی قانون کی احتیاج باقی رہی نہ کسی نئے پیغامبر کی تلاش۔

❑❖❑

درسِ حدیث

حقیقی مالداری دل کا غنیٰ ہے

ازقلم: مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری، ناظم مدرسہ دارالتوحید، اعلیٰ ہلی بنگلور

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ ابْنَ آدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِي أَمْلَأْ صَدْرَكَ غِنًى وَأَسُدَّ فَقْرَكَ وَإِنْ لَاتَفْعَلْ مَلَأْتُ يَدَكَ شُغْلًا وَلَمْ أَسُدَّ فَقْرَكَ.

(مشكوٰة المصابيح، كتاب الرقاق: ص/٤٤٠)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہیں کہ اے ابنِ آدم! میری عبادت کے لیے تُو اپنے دل کو اچھی طرح مطمئن وفارغ کرلے، میں تیرے سینے کو استغناء سے بھردوں گا (یعنی تیرے دل کو علوم ومعارف کی دولت سے مالا مال کردوں گا، جس کے سبب تو غیراللہ سے بے نیاز ومستغنی ہوجائے گا) اور تیرے لیے فقر وافلاس کی راہ کو بند کردوں گا۔ اگر تُو نے ایسا نہ کیا (یعنی میں نے جو یہ حکم دیا ہے کہ دنیا سے بے پروائی اختیار کرکے اپنے رب کی عبادت کی طرف متوجہ رہ، کہ یہ چیز دنیا وآخرت دونوں جگہ فائدہ پہنچاتی ہے، اگر تو نے اس حکم سے اعراض کیا اور اپنے قوائے فکر وعمل کو میری عبادت میں مشغول رکھنے کے بجائے صرف دنیاوی اُمور اور اپنے نفس کی خواہشات کی تکمیل میں مشغول ومنہمک رکھا) تو میں تیرے ہاتھوں (اور دیگر قوائے عمل کو) طرح طرح کے تفکرات اور مشاغل سے بھردوں گا اور تیرے فقر واحتیاج کو دُور نہیں کروں گا۔

تمہید:

دنیا میں انسانوں کی پیدائش کا مقصد ہی اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت ہے، چاہے وہ مسجد میں ہو، گھر میں ہو، بازار میں ہو، خوشی وغم کے کسی بھی مرحلے میں ہو، اس کی زندگی کا مقصد رب ذوالجلال کی عبادت ہے، اسی کو اہمیت کے ساتھ قرآن میں بیان کیا گیا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سوا اپنی بندگی کو۔

(پ:٢٧، رقم الآية:٥٦، سورة الذاريات، ركوع:٣)

تشریح:

اللہ کی عبادت ہی دنیا میں اہم کام اور مشغلہ ہے، اسی وجہ سے اللہ نے ہمیں دنیا میں پیدا کیا، عبادت کا مفہوم

نہایت وسیع ہے، جس میں نماز، روزہ، حج، ذکر وغیرہ تمام شامل ہیں، اسی طرح زندگی کے مکمل شعبوں میں مختلف انداز سے عبادت کی جاسکتی ہے ظاہری اور باطنی ہر وہ عمل جو اللہ کی خوشنودی کے لیے کیا جائے عبادت ہے، اسی کی تشریح قرآن کی اس آیت میں کی گئی ہے جو ابراہیم علیہ السلام وجہِ امتیاز ہے، ارشادِ ربانی ہے:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (سورۂ انعام، پ:۸، رکوع:۲۰، رقم الآیۃ:۶۲، سور)

تو کہہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لیے ہے جو پالنے والا سارے جہان کا ہے (میری نماز اور میری تمام عبادات اور میری پوری زندگی اور پھر موت یہ سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے)۔

تشریح:

اس میں فروعِ اعمال میں سے اوّل نماز کا ذکر کیا؛ کیونکہ وہ تمام اعمالِ صالحہ کی روح اور دین کا سلوک ہے، اس کے بعد تمام اعمال وعبادات کا اجمالی ذکر فرمایا، اور پھر اس سے ترقی کر کے پوری زندگی کے اعمال واحوال کا ذکر کیا، اور آخرت میں موت کا، ان سب کا ذکر فرمایا کہ ہماری یہ سب چیزیں صرف اللہ رب العالمین کے لیے ہیں، جس کا کوئی شریک نہیں، اور یہی ایمانِ کامل اور اخلاص کامل کا نتیجہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کے ہر حال میں اور ہر کام میں اس کو پیشِ نظر رکھے کہ میرا اور تمام جہان کا ایک رب ہے، میں اس کا بندہ اور ہر وقت اس کی نظر میں ہوں، میرا قلب، دماغ، آنکھ، کان، زبان اور ہاتھ پیر، قلم اور قدم اس کی مرضی کے خلاف نہ اُٹھنا چاہیے، یہ وہ مراقبہ ہے کہ اگر انسان اس کو اپنے دل ودماغ میں مستحضر کرلے تو صحیح معنیٰ میں انسان اور کامل انسان ہوجائے، اور گناہ ومعصیت اور جرائم کا اس کے آس پاس بھی گزر نہ ہو۔

تفسیر درمنثور میں اسی آیت کے تحت میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: میرا دل چاہتا ہے کہ ہر مسلمان اس آیت کو بار بار پڑھا کرے اور اس کو وظیفۂ زندگی بنالے۔

اس آیت میں نماز اور تمام عبادات کا اللہ کے لیے ہونا تو ظاہر ہے کہ ان میں شرک یا ریاء یا کسی دنیوی مفاد کا دخل نہ ہونا مراد ہے، اور زندگی اور موت کا اللہ کے لیے ہونا، اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میری موت وحیات ہی اس کے قبضۂ قدرت میں ہے، تو پھر زندگی کے اعمال وعبادات بھی اسی کے لیے ہونا لازم ہے، اور یہ معنیٰ بھی ہوسکتے ہیں کہ جتنے اعمال زندگی سے وابستہ ہیں وہ بھی صرف اللہ کے لیے ہیں جیسے نماز، روزہ اور لوگوں کے ساتھ معاملات کے حقوق وفرائض وغیرہ، اور جو اعمال موت سے متعلق ہیں، یعنی وصیت اور اپنے بعد کے لیے جو ہر انسان کوئی نظام چاہتا اور سوچتا ہے، وہ سب اللہ رب العالمین کے لیے اور اسی کے احکام کے تابع ہیں۔

پھر فرمایا: ﴿وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ ''یعنی مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قول وقرار اور اخلاصِ کامل کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار مسلمان ہوں'' مراد یہ ہے کہ اس امت میں سب سے پہلا مسلمان میں ہوں؛ کیونکہ ہر اُمت کا پہلا مسلمان خود وہ نبی یا رسول ہوتا ہے جس پر وحی شریعت نازل کی جاتی ہے۔ (مستفاد از معارف القرآن)

دنیا کا کوئی بھی انسان عزت، شرافت کے کمالِ معیار کو پہنچنے کے لیے عبادت کی انتہا کو پہنچنا ضروری ہے، اس کمال کو انبیاء علیہم السلام پہنچتے ہیں، اور ان میں جو سب سے آگے ہیں وہ ہمارے محبوب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلیٰ مقامات کے اعزاز کے ساتھ یاد فرمایا ہے، وحی کے نزول اور سفرِ معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبدیت کے ساتھ یاد فرمایا، یہ سب سے اُونچا اور اعلیٰ مقام ہے؛ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا﴾ — سب تعریفیں اللہ کو جس نے اُتاری اپنے بندہ پر کتاب اور نہ رکھی اُس میں کچھ کجی۔

(سورۂ کھف، پ:۱۵، رقم الآیۃ:۱، رکوع:۱) (شیخ الہندؒ)

تشریح:

یعنی اعلیٰ سے اعلیٰ تعریف اور شکر کا مستحق وہ ہی خدا ہوسکتا ہے جس نے اپنے مخصوص ومقرب ترین بندہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے اعلیٰ واکمل کتاب اور اس طرح زمین والوں کو سب سے بڑی نعمت سے مشرف وممتاز فرمایا۔ بے شک اس کتاب میں کوئی ٹیڑھی ترچھی بات نہیں، عبارت انتہائی سلیس وفصیح، اسلوب بیان نہایت مؤثر وشگفتہ، تعلیم نہایت متوسط ومعتدل جو ہر زمانہ اور ہر طبیعت کے مناسب اور عقلِ سلیم کے بالکل مطابق ہے، کسی قسم کی افراط وتفریط کا اس میں شائبہ نہیں۔ (ماخوذ از فوائد عثمانیؒ)

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی﴾ — پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔ (ترجمہ شیخ الہند) (یعنی صرف ایک رات کے لمحہ وحصہ میں اپنے مخصوص ترین اور مقرب ترین بندہ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو حرمِ مکہ سے بیت المقدس تک لے گیا۔

(سورۂ اسرا، پ:۱۵، رقم الآیۃ:۱، رکوع:۱)

جب بھی بندگی کے وصف میں اضافہ ہوگا اسی طرح بندہ کے کمال میں اضافہ ہوگا اور اس کے درجات میں زیادتی ہوگی۔

غناء کی حقیقت:

غناء کی حقیقت دل سے متعلق ہے، اسی کو قناعت بھی کہتے ہیں، اللہ اپنے بندہ کے دلوں میں سے جس دل کا انتخاب کرتا ہے اُس دل کو غناء کی دولت سے مالا مال کر دیتا ہے، جس کی وجہ سے وہ اللہ کی تقسیم پر راضی وخوش رہتا ہے، شکوے وشکایات نہیں کرتا اور دنیادار حریصوں کی طرح حرص نہیں کرتا، جو محض دنیاوی مال ومتاع کی زیادتی کے لیے حرص کرتے رہتے ہیں، اسی وجہ سے جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مال داری اسباب ومال کی زیادتی کا نام نہیں ہے؛ بلکہ دل کے غناء کا نام ہی (بے نیازی) اور غنا ہے''۔

ایک روایت میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''کیا تم پیسوں کی زیادتی کو مالداری تصور کرتے ہو؟ بلکہ اصل غنا تو دل کا غنا ہے، اور فقر دل کا فقر ہے، جس کے دل میں غناء ہو اس کو دنیا کی چیزیں نقصان نہیں پہنچا سکتیں (اس کے بالمقابل) جس کے دل میں فقر وتنگی ہو اُس کو دنیا کی زیادتی بے نیاز نہیں کرتی، آدمی کو اس کی حرص ہی نقصان پہنچاتی ہے۔

بہت سارے مالداروں کے پاس اتنی زیادہ وسعت ہوتی ہے کہ وہ اور ان کے گھرانے کے افراد دس سال تک اس مال سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں، باوجود اس کے دنیا کی حرص ان سے ختم نہیں ہوتی، اپنے دین اور صحت کو نقصان پہنچاتے ہیں اور اپنے اوقات اور دوسرے کاموں کی اس کے پیچھے قربانی دیتے ہیں، اس کے بالمقابل کتنے فقیر لوگ دیکھنے میں مالدار اور وسعت والے دکھائی دیتے ہیں، باوجود یہ کہ ان کے پاس اس دن کی روزی کا بھی انتظام نہیں رہتا، تو نتیجہ یہ نکلا کہ غنا دل سے متعلق ہے، عمل سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو حرص اور شح سے بچائے۔ آمین

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''لالچ فقر ہے اور لوگوں سے نا اُمیدی غنی ہے، جب انسان کسی چیز سے نا اُمید ہو جاتا ہے تو اس سے مستغنی ہو جاتا ہے۔

ابو حازم رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ آپ کا مال کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: ''دو مال میرے پاس ایسے ہیں جن کے ساتھ مجھے فقر کا خوف نہیں ہے (۱) ایک اللہ پر کامل ومکمل بھروسہ (۲) دوسرے لوگوں کے پاس جو ہے اس سے نا اُمیدی''۔

بعض حکماء سے منقول ہے ان سے سوال کیا گیا غنا کیا ہے، تو انھوں نے فرمایا: اُمیدوں کا مختصر ہونا (۲) جو ہمارے پاس موجود ہے اس پر راضی رہنا۔

اس حدیث سے بندہ کا دنیا کی زندگی کے غموں سے نجات کے لیے اہم اور بڑا علاج تجویز کیا گیا ہے، علاج

یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت میں ہمہ تن مشغول ہوجائے اور آخرت کی فکر میں لگا رہے، جب بھی بندہ آخرت کی فکر میں لگ جاتا ہے تو دنیا کے غموں سے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو پاک صاف فرما دیتے ہیں اور اس کی پریشانیوں اور مصیبتوں میں تخفیف ہوجاتی ہے اور بے کار ولایعنی کاموں سے وہ بندہ یکسو ہوجاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس بندہ کی ساری فکریں ایک ہوجائے یعنی آخرت کی فکر، تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے دنیا کے تمام غموں سے کافی ہوجاتے ہیں، اور جس کی فکروں کا منتہا اور مقصد صرف دنیا ہوجائے اللہ تعالیٰ کو بھی پرواہ نہیں ہے کہ وہ دنیا کی کسی وادی میں جاکر ہلاک ہوجائے۔

ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب آدمی صبح اور شام اس حال میں کرتا ہے کہ اس کی فکر صرف اللہ پر ہو، تو اللہ بھی دنیا کی تمام حوائج سے اس کو مستغنی کردیتے ہیں اور اس کو دنیا کی فکر سے آزاد کردیتے ہیں اور اس کے دل کو اپنی محبت کے لیے فارغ کردیتے ہیں اور اس کی زبان کو اپنے ذکر کے لیے فارغ کردیتے ہیں اور اس کے اعضاء کو اپنی اطاعت کے لیے فارغ کردیتے ہیں اور اگر اس کے بالمقابل صبح وشام جس کی فکروں کا مقصد دنیا ہی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو پریشانیوں اور غموں کے حوالے کردیتے ہیں۔

تو اس وجہ سے بندۂ مؤمن کو چاہیے کہ وہ اللہ کی تقسیم پر راضی رہے اور قناعت سے کام لے اور اللہ کے وعدوں پر یقین کرے اور حسنِ تدبیر کے ساتھ اس کو انجام دے۔ دنیاوی معاملات میں اپنے سے نیچے والوں کو دیکھے، اُمیدوں کو چھوٹا کرے اور اس بات کا یقین کرے کہ اس کے مقدر کا رزق اس کو مل کر ہی رہے گا، اگرچہ اس کے لیے آدمی نے کوشش نہ کی ہو، زیادہ کے حصول کی طلب سے رزق نہیں ملتا، ان باتوں پر یقین رکھے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو دل کا غناء نصیب فرمائے، حرص اور شح سے محفوظ رکھے، آمین۔

❑❖❑

تذکرۂ صحابہؓ (قسط ششم)

سیرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

ازقلم: مفتی محمد عمران صاحب قاسمی، مدرس مدرسہ مرکز العلوم بنگلور

ایک مرتبہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ مجھے نصیحت کیجیے، آپؓ نے فرمایا: اے سلمان! خدا سے ڈرا کرو اور یقین جانو کہ عنقریب بہت سے ملک فتح ہوں گے تو ایسا نہ ہو کہ تم صرف کھانے پہننے میں رہو، یاد رکھو! جس نے پانچوں وقت کی نماز پڑھی وہ صبح سے شام تک اللہ کی حفاظت میں آ گیا اور جو اللہ کے ذمہ اور اس کی حفاظت میں آ گیا اُس کو ہرگز نہ مارنا؛ کیونکہ جس نے خداوند تعالیٰ سے عہد شکنی کی اُس کو خداوند تعالیٰ اوندھے منہ دوزخ میں ڈالیں گے؛ نیز آپؓ فرماتے ہیں کہ صالحین یکے بعد دیگرے اٹھا لیے جائیں گے، حتیٰ کہ ایسے لوگ باقی رہ جائیں گے جو آٹے کی بھوسی کی طرح بالکل بیکار ہوں گے اور جن سے خداوند تعالیٰ کو کوئی تعلق نہ ہوگا۔

میمون بن مہران سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک کوا بہت پَروں والا شکار کرکے لایا گیا، اُس کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا تو آپؓ نے فرمایا: خواہ کوئی جانور مارا جائے یا کوئی درخت کاٹا جائے اللہ کی تسبیح چھوڑنے سے ضائع کیا جاتا ہے۔

امام نوویؒ نے تہذیب میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سو بیالیس حدیثیں روایت کی ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

☆ کسی نبی کا اس وقت تک انتقال نہیں ہوتا جب تک وہ اپنی امت کے کسی شخص کے پیچھے نماز نہ پڑھ لے۔
☆ ہر نبی کی وفات اسی جگہ ہوتی ہے جہاں اس کو دفن ہونا ہوتا ہے۔
☆ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو لعنت کرے؛ کیونکہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔
☆ میت کو اس کے پسماندگان کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔
☆ میرے مکان اور منبر کے درمیان کا ٹکڑا جنت کے باغوں میں کا ایک باغ ہے اور میرا منبر جنت کے ایک ٹکڑے پر ہے۔
☆ جس نے کسی مومن کو اذیت دی یا اس کے ساتھ مکر کیا، وہ ملعون ہے، جو شخص بخیل ہے وہ جنت میں نہیں

جائے گا اور نہ بدخواہ اور نہ خائن اور نہ اپنے ماتحت کے ساتھ بُرائی کرنے والا دل، وہ غلام جنت میں داخل ہوں گے جو اللہ اور اپنے آقا کی اطاعت کریں۔

☆ نبی کا وارث اس کا جانشین خلیفہ ہوتا ہے۔

☆ معمولی نسبی رشتہ سے انکار کرنا بھی کفر ہے۔

☆ جو شخص مسلمانوں کے کاموں کا حاکم ہو اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت نہ کرے تو اُس پر اللہ کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ اس کے نفل وفرض کو قبول نہ کریں گے۔

☆ میری امت میں شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی ہے۔

☆ تم ''لا الٰہ الا اللہ'' اور استغفار کو لازم پکڑو؛ کیونکہ ابلیس لعین کہتا ہے کہ میں لوگوں کو گناہوں کے سبب ہلاک کرتا ہوں اور وہ مجھے ''لا الٰہ الا اللہ'' اور استغفار سے ہلاک کرتے ہیں جب میں نے یہ دیکھا تو اُن کو خواہشات پر لگا دیا وہ خراب ہو کر بھی اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھتے ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو۔

☆ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کے کرنے کا ارادہ فرماتے تو یہ دعا فرماتے: الٰہی! اس کام کو میرے لیے پسند کیجیے اور بہتر فرمائیے۔

☆ جو جسم حرام سے پرورش پائے تو اس کے لیے آگ ہی بہتر ہے اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جس جسم کی حرام غذا ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

☆ عادل سلطان پر جو متواضع بھی ہو اللہ کا سایہ ہے اور اس کا نیزہ ہے اس کو دن رات میں ستر صدیقوں کا ثواب ملتا ہے۔

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے عرض کیا اس شخص کو کیا جزا ملے گی جو مصیبت زدہ عورت کو تسلی کرتا ہے، حکم ہوا کہ میں اس کو اپنے سایہ میں رکھوں گا۔

☆ کوئی جانور شکار نہیں ہوتا، نہ کوئی کانٹے دار درخت کٹتا ہے، نہ کسی درخت کی جڑ کٹتی ہے؛ مگر قلتِ تسبیح سے۔

☆ اگر جنتی کسی چیز کی تجارت کرتے تو کپڑے کی کرتے۔

☆ جو شخص مجھ سے علم یا حدیث لکھے جب تک وہ علم یا حدیث محفوظ ہے، تب تک اس کو اس کا ثواب ملتا رہے گا۔

☆ ہم گروہِ انبیاء کا ورثہ نہیں جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ سب صدقہ ہے۔

☆ تو اور تیرا مال تیرے باپ کے واسطے ہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد خرچہ ہے۔

☆ جس نے اپنے قدم کو راہِ خدا میں گرد آلود کیے اللہ تعالیٰ اس پر آتشِ دوزخ حرام کرے گا۔
☆ آفتاب کسی آدمی پر عمر سے بہتر ہو طلوع نہیں ہوا۔
☆ حضرت ابوبکر صدیقؓ۔
☆ اصرار نہیں کیا اُس شخص نے جس نے استغفار کیا اگرچہ پھر اسی فعل کو ایک دن میں ستّر مرتبہ کیا۔
☆ مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا۔
☆ میری امت میں شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی ہے۔
☆ جسم کا ہر ایک حصہ تیری زبان کی تیزی کی شکایت کرتا ہے۔
☆ نصف شعبان کی شب کو اللہ تعالیٰ نیچے تشریف لاتے ہیں اُس رات سوائے کافر اور کینہ پرور آدمی کے سب کو بخشتے ہیں۔
☆ دجال مشرق میں خراسان سے ظاہر ہوگا اور اس کے ساتھ دوسری قومیں بھی ہوں گی جن کا منہ اُن ڈھالوں کی طرح ہوگا جو بیچ میں سے بلند اور کناروں پر سے پست ہوں۔
☆ مجھ پر خدا کا اتنا بڑا احسان ہے کہ میں قیامت میں ستّر ہزار آدمی کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کراؤں گا۔
☆ قریش اس امت کے امیر ہیں ان کے نیک نیکوں کے تابع ہیں اور فاجر فاجروں کے۔
☆ ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک کفارہ ہوتا ہے اور غسل بھی جمعہ کے دن کفارہ ہے۔
☆ جہنم کی گرمی میری امت پر حمام کی گرمی جیسی ہے۔
☆ اپنے آپ کو جھوٹ سے بچاؤ؛ کیونکہ جھوٹ ایمان سے دُور کرنے والا ہے۔
☆ جو شخص جنگِ بدر میں حاضر ہوا اُس کو جنت کی بشارت دو۔
☆ الٰہی اسلام کو عمر بن خطاب سے تقویت بخش۔
☆ اگر میں تم میں نبی ہو کر نہ آتا تو عمر نبی ہوتے۔
☆ جو شخص خداوند تعالیٰ کے راستے میں برہنہ پا نکلے گا خدا تعالیٰ قیامت کے دن اس سے مفروضات کے متعلق سوال نہ فرماویں گے۔
☆ جو شخص جہنم سے بچنا اور خداوند تعالیٰ کے سائے میں آنا چاہے اُسے چاہیے کہ مسلمانوں پر سختی نہ کرے؛ بلکہ رحم کرے۔

☆ جوشخص صبح ہی سے اللہ کی فرمانبرداری کی نیت کرے اگر چہ اس روز وہ کوئی گناہ بھی کرے؛ مگر خداوند تعالیٰ اس کو اس روز اجر ضرور دیں گے۔

☆ افتراء کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

☆ کسی مسلمان کی حقارت مت کرو؛ کیونکہ ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی خداوند تعالیٰ کے نزدیک بڑا رتبہ رکھتا ہے۔

☆ ازار یعنی تہبند ٹخنہ سے نیچی ہرگز مت کرو۔

☆ شیطان سے پناہ مانگنے میں غفلت نہ کرو؛ کیونکہ تم اگر چہ اس کو نہیں دیکھتے؛ مگر وہ تم سے غافل نہیں ہے۔

☆ جس شخص نے خداوند تعالیٰ کے لیے مسجد تعمیر کرائی اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جنت میں گھر بنائیں گے۔

☆ جوشخص ان خبیث ترکاریوں پیاز لہسن کو کچا کھائے وہ مسجد میں نہ آئے۔

☆ اور بھی احادیثِ مرفوعہ آپ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔

جمع قرآن شریف کا ذکر

بخاری شریف میں بروایت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنگ مسیلمہ کذاب کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا، جس وقت میں گیا آپ کے پاس حضرت عمرؓ بھی بالکل چُپ تشریف رکھتے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ عمرؓ مجھ سے یہ کہتے ہیں کہ جنگِ یمامہ میں بہت سے مسلمان قاری کام آگئے ہیں، مجھے خوف ہے کہ اگر اسی طرح مسلمان شہید ہوتے رہے تو بہت قرآن شریف بھی حافظوں کے ساتھ اُٹھ جائے گا؛ لہٰذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کو جمع کرالیا جائے، میں (حضرت ابوبکر صدیقؓ) نے عمرؓ سے یہ کہا تھا کہ بھلا میں ایسے فعل کو کس طرح کرسکتا ہوں جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ واللہ! یہ نیک کام ہے، اس میں کچھ حرج نہیں، اس پر حضرت عمرؓ برابر مصر رہے، حتیٰ کہ میرا دل کھلا، میں اس کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ گیا، حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ یہ خاموش ہوکر سنتے رہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پھر مجھ سے یہ کہا کہ تم جوان اور عقلمند آدمی ہو اور تم کسی بات میں متہم بھی نہیں؛ نیز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبِ وحی بھی رہ چکے ہو؛ لہٰذا تم تتبع اور تلاش کرکے قرآن شریف کو ایک جگہ جمع کردو، حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ مجھے واللہ! یہ بہت شاق گزرا، اگر مجھے پہاڑ بھی اٹھانے کا حکم دیتے تو میں اس کا بھی بوجھ اس کام سے ہلکا سمجھتا، میں نے عرض کیا آپ دونوں صاحب وہ کام کس طرح کرسکتے ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی

اللہ عنہ نے میرے جواب میں وہی فرمایا کہ اس میں کچھ حرج نہیں؛ مگر مجھے تامل ہی رہا اور میں نے بہت اصرار کیا، آخر خداوند تعالیٰ نے میرا بھی دل کھول دیا اور میں اس مسئلہ کی اہمیت کو پوری طرح سمجھ گیا، میں نے تلاش کرنا شروع کیا اور میں کاغذ کے پرچوں اور اُونٹ بکریوں کے شانوں کی ہڈیوں، درخت کے پتوں اور حافظوں کے سینوں سے قرآن شریف کو جمع کیا، حتیٰ کہ سورۂ توبہ کی دو آیتوں ﴿لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الآیة﴾ کو خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سوا کسی سے نہیں پایا اور جمع کر کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا، جو آپ کی وفات تک آپ کے پاس رہا، پھر آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اور آپ کی وفات کے بعد حفصہ بنتِ عمر رضی اللہ عنہا کے پاس رہا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ سب سے زیادہ اجر قرآن شریف کے متعلق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ملے گا؛ کیونکہ اوّل آپ ہی وہ شخص ہیں جس نے قرآن شریف کو کتابی صورت میں کیا۔

اصلاحِ معاشرہ

علماء اور حکومت

ازقلم: فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی، ترجمان وسکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

دینِ حق اور شریعتِ اسلامی اپنی مکمل اور آخری شکل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انسانیت تک پہنچ چکا ہے؛ اِس لیے قیامت تک اس دین کو بے آمیز طریقہ پر محفوظ رہنا ضروری ہے، خود اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر:۹) قرآن کی حفاظت میں ''الفاظِ قرآنی'' کی حفاظت تو داخل ہے ہی ''معانیٔ قرآن'' کی حفاظت بھی شامل ہے، قرآنِ مجید کے درست معانی اور اس کی صحیح تشریحات علماء کی ذمہ داری ہے؛ اِس لیے منجانب اللہ ہر عہد میں علماء سے دو طرح کی خدمتیں لی گئی ہیں: ایک یہ کہ ان کو ایسی علمی بصیرت عطا کی گئی کہ وہ الفاظِ قرآنی کی بے جا تشریحات اور احکامِ شریعت کی ناحق تاویلات کے فتنہ سے اُمت کو بچائیں، دوسرے: اسلام کی تعلیمات کو حکومت کے اثرات اور اس کی مداخلت سے محفوظ رکھیں؛ کیوں کہ حکومتیں اکثر مذاہب پر اثر انداز ہوتی رہی ہیں، ہندو مذہب اور عیسائیت اس کی واضح مثالیں ہیں، مسلم حکومتیں بھی ایسے ناپاک عزائم سے پاک نہیں رہی ہیں؛ لیکن چوں کہ اللہ تعالیٰ کو اسلام کی حفاظت مقصود تھی؛ اِس لیے ہمیشہ ایسی کوششیں ناکام ونامراد ہی رہیں۔

علماءِ اسلام اس سلسلہ میں اتنے حساس واقع ہوئے تھے کہ جو راویانِ حدیث شاہی دربار کا چکر لگاتے، اہلِ علم کو ان کی روایت قبول کرنے میں تأمل ہوتا تھا، اور جو فقہاء حکومتوں کے زیرِ اثر ہوتے، اصحابِ علم کی بارگاہ میں ان کے فتاویٰ کو قبولیت وپذیرائی حاصل نہیں ہوتی تھی، بڑے بڑے اہلِ علم کو سرکاری عہدوں کی پیش کش کی گئی؛ لیکن انھوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ہمیشہ اُمراء وسلاطین کی ہم نشینی کو علماء ومشائخ کے لیے ناپسند کیا گیا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''علماء اللہ کے بندوں پر اس کے رسولوں کے بعد ذمہ دار ہیں، جب تک سلاطین کے ساتھ ان کا ملنا جلنا نہ ہو، اگر انھوں نے اربابِ اقتدار سے اختلاط رکھا تو اللہ کے رسولوں کے ساتھ خیانت کی؛ لہٰذا ایسے لوگوں سے بچ کر اور دُور دُور رہو''۔ (احیاء العلوم:۱/۱۰۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ بدترین علماء وہ ہیں جو اُمراء (اربابِ اقتدار) کے پاس آمد ورفت رکھتے ہیں اور بہترین اُمراء وہ ہیں جو علماء کے پاس آتے جاتے ہیں۔ (حوالۂ سابق)

ایک اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جس نے حکمران کے پاس آمد ورفت رکھی، وہ فتنہ میں مبتلا ہوا ''من أتی السلطان اُفتتن''. (احیاء العلوم بحوالہ ابوداؤد وغیرہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ تم پر ایسے اُمراء اور ذمہ دار آئیں گے جن کی بعض باتیں اچھی ہوں گی اور بعض بُری، تو جس نے ان کی بُری بات پر نکیر کی، اُسے تو نجات مل گئی اور جس نے صرف دل میں بُرا محسوس کیا، وہ بھی بچ گیا؛ لیکن جو اس کی باتوں پر راضی رہا اور اس کی پیروی کی تو اللہ تعالیٰ اُسے محروم کر دیں گے۔

(احیاء العلوم: ۱/۱۰۰، بحوالہ مسلم)

اسی لیے علماء نے ہمیشہ اربابِ حکومت اور اہلِ اقتدار کے پاس علماء کے آنے جانے کو ناپسند کیا ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ''علماءِ سوٗ'' یعنی خراب علماء کی علامتوں میں سے ایک علامت بتایا ہے، علامہ ابنِ جوزی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب ''تلبیس ابلیس'' میں لکھا ہے کہ شیطان کے اہلِ علم کو متأثر کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اربابِ اقتدار کے پاس ان کی آمد ورفت بڑھ جائے اور وہ ان کے ساتھ مداہنت کا رویہ اختیار کرنے لگیں۔ (تلبیس ابلیس: ۱۳۹) مشہور فقیہ سفیان ثوری رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ جہنم میں ایک وادی ہے، جس میں وہ علماء داخل کیے جائیں گے جو اربابِ اقتدار کے یہاں آمد ورفت رکھا کرتے تھے، سعید بن المسیّب رمہ اللہ سے منقول ہے کہ: جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ وہ اصحابِ حکومت کے یہاں اکثر جاتا رہتا ہے تو اس سے بچ رہو؛ اِس لیے کہ وہ چور ہے، امام اوزاعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس عالم سے زیادہ کوئی شخص ناپسند نہیں جو کسی صاحبِ اقتدار کے یہاں آنا جانا رکھتا ہو، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: تم اربابِ اقتدار کے دروازے پر جاؤ گے تو تم جتنا ان سے دنیا حاصل کرو گے، اُس سے زیادہ وہ تم کو تمہارے دین سے محروم کر دیں گے۔ (احیاء العلوم: ۱/۱۰۱)

ظاہر ہے کہ یہ ہدایات اس صورت میں ہیں جبکہ علماء اور مشائخ اپنی اغراض وضرورتوں یا مناصب اور عہدوں کے لیے اربابِ اقتدار تک پہنچیں اور ان کو ان کی غلطیوں پر ٹوکنے کی ہمت نہ پاتے ہوں، اگر کوئی عالم اُمتِ مسلمہ کے کسی مسئلہ کو حل کرنے کے لیے اخلاص اور بے غرضی کے ساتھ اربابِ حکومت تک پہنچتا ہے تو وہ اس میں داخل نہیں ہے؛ بلکہ ایسے لوگوں سے امت کو نفع پہنچتا ہے، اسلامی تاریخ میں اس کی بہترین مثال امام ابو یوسف اور مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہما اللہ ہیں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے عہدِ عباسی میں عہدۂ قضا قبول فرمایا اور اسلامی تاریخ کے پہلے قاضی القضاۃ بنے؛ لیکن انھوں نے ہمیشہ اس عہدہ کو اسلام کے فروغ، مسلمانوں کی خیر خواہی اور حکومت کی اصلاح کے لیے استعمال کیا، انھوں نے حکمت ومصلحت کے ساتھ اربابِ اقتدار کو دین سے جوڑے رکھا، اسی طرح مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے زہد وتقویٰ اور علم وفضل سے مشہور مغل بادشاہ

جہانگیر متاثر ہوا؛ مگر انھوں نے اس تعلق کو کسی عہدہ کے حصول کے لیے استعمال نہیں کیا؛ بلکہ اکبر کے دَور میں جو الحاد سلطنت کا جز بن گیا تھا اور اسلامی شعائر کو تہہ و بالا کرنے کی جو سازش کی گئی تھی، اپنے اثر کے ذریعہ اس کا سد باب فرمایا، نہ کبھی کوئی عہدہ قبول فرمایا اور نہ کوئی مادی سہولت حاصل کی۔

عام طور پر علماءِ حق کے تعلقات ان کی حق پسندی کی وجہ سے حکومتوں سے خراب ہی رہے، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ حجاج بن یوسف کے حکم پر اس طرح ذبح کر دیے گئے جیسے جانور کو ذبح کیا جاتا ہے؛ لیکن ثابت قدمی میں کوئی فرق نہیں آیا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے عباسیوں کے اصرار کے باوجود عہدۂ قضا قبول نہیں کیا، اس ثابت قدمی پر کوڑے بھی کھائے اور آخر جامِ شہادت بھی نوش کیا، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ایسی آزمائش سے گزرے جس کی مثال کم ملے گی کہ ان کی پیٹھ کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو زخم سے محفوظ ہو اور جس پر کوڑے نہ برسائے گئے ہوں، امام بخاری رحمہ اللہ ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہوتے رہے اور آخر اس حال میں ان کی وفات ہوئی کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ کر دی گئی تھی، سفیان ثوری رحمہ اللہ نے اربابِ اقتدار کی قربت سے بچنے کے لیے اپنے اُوپر جنون کی سی کیفیت طاری کر لی تھی، سلفِ صالحین کا حال یہ تھا کہ وہ اربابِ اقتدار کی قربت کو ایسی نظر سے دیکھتے تھے کہ گویا یہ آگ ہے جو ان کے دین و ایمان کو خاکستر کر دے گی۔

انھوں نے دین کی عظمت اور علم کے وقار کو کبھی سرنگوں نہ ہونے دیا، امام مالک رحمہ اللہ کا مسجدِ نبویؐ میں درسِ حدیث ہوتا تھا اور پوری اسلامی مملکت میں آپ کے درس کی شہرت تھی، اس وقت عباسی خلیفہ کی طرف سے اس خواہش کا اظہار کیا گیا کہ امام صاحب دونوں شہزادوں کو مؤطا امام مالک کا درس دیں، امام مالک رحمہ اللہ نے خوش اُسلوبی کے ساتھ معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس علم کا آغاز آپ کے گھر سے ہوا ہے، یہ مناسب نہیں کہ آپ ہی کے ذریعہ اس علم کی بے توقیری ہو، علم ایسی چیز ہے کہ اس کے پاس آیا جاتا ہے، علم کسی کے پاس نہیں جاتا؛ چنانچہ امین الرشید اور مامون الرشید خود درسگاہ میں حاضر ہوئے اور انھوں نے امام مالک رحمہ اللہ سے کسبِ فیض کیا، امام بخاری رحمہ اللہ سے بخارا کے گورنر نے خواہش کی کہ وہ گورنر ہاؤس میں آکر شہزادوں کو حدیث کی تعلیم دیں؛ لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ میں اس علم کو بادشاہوں کے دروازہ پر رُسوا نہیں کرسکتا "لا أذل هٰذا العلم علىٰ أبواب السلاطين" شیخ سعید حلبی رحمہ اللہ دمشق کی جامع مسجد میں درس دے رہے تھے اور تکلیف کی وجہ سے پاؤں پھیلائے ہوئے تھے، شام کے گورنر ابراہیم پاشا (جس کی سفاکیت اور خوں ریزی مشہور تھی) کو خیال ہوا کہ میں بھی جا کر شیخ کا درس سنوں؛ چنانچہ وہ مسجد میں سامنے ہی سے داخل ہوا، شیخ نے اپنا پاؤں نہیں سمیٹا، یہ بات آدابِ شاہی کے خلاف تھی، شیخ کے شاگرد دم بخود تھے کہ شاید

اب شیخ کی شہادت ہوگی یا انھیں دلیل ورسوا کیا جائیگا؛ لیکن گورنر پر ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ کچھ کہے بغیر واپس ہوگیا، پھر اس نے اشرفیوں (سونے کے سکہ) کی ایک بڑی مقدار اپنے غلام کے ذریعہ شیخ کی خدمت میں بھیجی اور درخواست کی کہ اس کا یہ نذرانہ قبول کرلیا جائے، شیخ نے واپس کردیا اور ایک ایسا تاریخی جملہ کہا جو آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہے اور جو ہر عالمِ دین کے لیے نقشِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ پاؤں وہی پھیلاتا ہے جو ہاتھ پھیلانا نہ جانتا ہو: ''**الذي يمد رجله لايمد يده**''.

شیخ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کی مقبولیت اور محبوبیت اپنی بلندی پر ہے کہ جلال الدین خلجی (جو خود بھی دیندار بادشاہ تھا) نے بارہا شیخ سے ملاقات کی خواہش کی؛ یہاں تک کہ امیر خسرو کو اس کے لیے واسطہ بھی بنایا؛ لیکن آپ کبھی بادشاہ سے ملاقات پر راضی نہیں ہوئے، نہ خود بادشاہ کے یہاں گئے اور نہ بادشاہ کو اپنے دولت خانہ پر باریابی کی اجازت دی، جلال الدین خلجی کے بعد علاء الدین خلجی بادشاہ ہوئے، انھوں نے بھی حاضری کی اجازت چاہی؛ لیکن اپ کا جواب تھا کہ آنے کی حاجت نہیں ہے، میں غائبانہ دعا کرتا ہوں اور غائبانہ دعاء بہت مؤثر ہوتی ہے، ایک بار جب سلطان نے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا کہ اس فقیر کے گھر میں دو دروازے ہیں، بادشاہ ایک دروازہ سے آئے تو میں دوسرے دروازے سے باہر چلا جاؤں گا۔ (تاریخ دعوت وعزیمت: ۸۴/۳)

محمد تغلق نے شیخ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ شیخ قطب الدین منور کو تکلیف پہنچانی چاہی؛ لیکن اس پر قادر نہ ہوسکا، آخر بادشاہ نے ایک لاکھ تنکے (اس زمانہ کا چاندی کا سکہ) بھجوائے، شیخ نے قبول کرنے سے معذرت کرلی، پھر سلطان نے پچاس ہزار قبول کرنے کی خواہش کی، شیخ نے اسے بھی قبول نہ کیا، اخیر میں بات جب دو ہزار تک پہنچی تو فرمایا کہ درویش کو دو سیر چاول، دال اور ایک دان (اُس زمانہ کا کم مقدار سکہ) کا گھی کافی ہے، آپ نے اپنے مخلصین کے کہنے پر اسے قبول کرلیا کہ کہیں بادشاہ درپئے آزار نہ ہوجائے؛ مگر اسی وقت اہلِ حاجت میں تقسیم کردیا، بادشاہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کے ایک راخ العقیدہ مرید مولانا فخر الدین زرّاوی تھے، سلطان محمد تغلق جیسے ظالم بادشاہ نے جب خواہش کی کہ وہ کچھ نصیحت کریں تو مولانا نے کہا کہ غصہ دبایا کرو، بادشاہ نے پوچھا: کون سا غصہ؟ مولانا نے فرمایا: درندوں والا غصہ، جو تمہاری عادت اور طبیعت میں داخل ہے، اس سخت جملہ پر بادشاہ کو ایسا غصہ آیا کہ چہرہ کا رنگ بدل گیا؛ مگر کچھ کہہ نہیں پایا۔ (بزمِ صوفیاء: ۳۷۶)

اس کے برخلاف جن لوگوں نے اربابِ اقتدار کی قربت اختیار کی، انھوں نے زیادہ تر دین واُمت کو نقصان پہنچایا، ہندوستان کا مشہور بادشاہ اکبر علماء کا معتقد تھا؛ لیکن مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان پوری اور صدر الصدور ملا عبدالنبی کی باہمی کشاکش اور حرص وجاہ کی طلب نے بادشاہ کی نظر میں ان کا مقام گرادیا تھا؛ یہاں تک کہ ان

حضرات نے بادشاہ کی خوشنودی کے لیے حج کے ساقط ہونے کا فتویٰ دے دیا، زکوٰۃ سے بچنے کے لیے حیلہ کو جائز قرار دے دیا، اور ان کے آبائی قبرستان سے سونے سے بھرے ہوئے صندوق برآمد ہوئے، جو انھوں نے اپنی دولت کو چھپانے کے لیے دفن کر رکھے تھے، ان حضرات کی آپسی لڑائی کے نتیجہ میں ملا مبارک اور ان کے بیٹے فیضی اور ابوالفضل دربارِ اکبری میں شامل ہوئے، جو علم وقابلیت کے اعتبار سے نادرۂ روزگار لوگ تھے؛ لیکن دولت کی حرص اور اقتدار کی قربت نے انھیں اس مقام پر پہنچا دیا کہ انھوں نے اکبر کو گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، اور ان کی مدد سے شعائرِ اسلام کی ایسی اہانت کی گئی کہ ہندوستان کی تاریخ میں شاید کسی غیر مسلم سے بھی ایسا نہ ہوا ہو۔

علمجاء چوں کہ دین کے شارح بھی ہیں اور اُمت کے داعی ومصلح بھی؛ اِس لیے اگر ان کا کردار بے داغ نہ رہ پائے تو یہ اُمت کے لیے سب سے زیادہ نقصان کا باعث ہے، ماضی قریب میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم کے واسطہ سے اربابِ مدارس کے لیے جو بنیادی اُصول مقرر فرمایا اُن میں سے ایک یہ ہے کہ: ''حکومت سے کوئی تعاون قبول نہیں کیا جائے گا'' یادش بخیر! ہم لوگوں کی طالبِ علمی کے زمانہ میں دارالعلوم دیوبند کے لیے سابق وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی نے سالانہ ایک لاکھ روپے کی پیشکش کی تھی اور دارالعلوم کا سالانہ بجٹ بھی اس کے قریب قریب تھا؛ لیکن دارالعلوم کے مہتمم حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے یہ کہہ کر معذرت فرمادی کہ ہمارے بزرگوں نے اس سے منع کیا ہے، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ جنگِ آزادی کے سورماؤں میں سے تھے اور اسی جدوجہد میں انھیں مالٹا میں قید وبند کی زندگی بھی گزارنی پڑی؛ لیکن جب ملک کے آزاد ہونے کے بعد انھیں اعلیٰ ترین سرکاری اعزاز پیش کیا گیا تو انھوں نے اسے قبول کرنے سے معذرت کردی، مقصد یہ تھا کہ علماء ومشائخ اور دینی ادارے حکومتوں کے احسان سے سبکبار رہیں۔

افسوس کہ عالمِ اسلام ہو یا ہمارا ملک، علماء ومدارس کا یہ کردار بتدریج ختم ہوتا جارہا ہے، ان کا ایک طبقہ ایوانِ اقتدار تک رسائی کے لیے کوشاں ہوتا ہے، اگر اپنی طاقت کے بل پر وہ سیاست میں حصہ لیں تو اور بات ہے؛ لیکن یہ کوشش اس کے باوجود ہوتی ہے کہ وہ ایک سیکولر جماعت کا حصہ ہیں اور انھیں معلوم ہے کہ انھیں اپنے ضمیر کی آواز کو پارٹی کی پالیسی کے سامنے دبانا ہوگا، سیاسی لوگوں کی طرح وہ بھی اس بات کے لیے کوشاں رہتے ہیں کہ حکومت انھیں کسی عہدہ پر نامزد کردے، ایسے حالات میں علماء اور مشائخ کے لیے اُمت کے دوسرے اہل افراد کو آگے بڑھانا اور خود ان کی رہنمائی کرنا زیادہ مفید ہوسکتا ہے، خانقاہوں کا امتیاز استغناء تھا؛ لیکن اب بعض اوقات حکومتِ وقت کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے میں ان کا قدم دوسروں سے آگے ہوجاتا ہے۔

جن ریاستوں میں دینی مدارس نے حکومت سے الحاق کو قبول کیا ہے، ان اداروں کی صورتِ حال روزِ روشن

کی طرح واضح ہے، حاضری کا غلط اندراج، جو طلبہ داخل نہیں ہیں امتحان دلانے کے لیے ان کی حاضری کی خانہ پُری، امتحان کے درمیان چوری اور ممتحن سے نمبرات بڑھوانے کی کوشش، ڈیوٹی نہ کرنے کے باوجود تنخواہوں کا حصول، اور پھر ان کاموں کے لیے جھوٹ، دھوکہ اور رشوت کا لین دین، کون سی بُرائی ہے جو عملاً چنداداروں کو مستثنیٰ کر کے اس نظام میں موجود نہیں ہے؟ اور اب تو ائمۂ مساجد بھی حکومت سے تنخواہیں حاصل کرنے کے لیے بے قرار ہیں، کیا ایسے علماء وائمہ اور مدارس ومساجد سے اس بات کی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اس ملک میں اسلام کا بقا اور تحفظ کا فریضہ انجام دیں گے اور ملی مفادات کے لیے بہ وقت ضرورت حکومتوں کے مقابلہ سینہ سپر ہوجائیں گے؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس طرح کچھ مسلمانوں کو روزگار حاصل ہوجاتا ہے؛ لیکن سوال یہ ہے کہ مدارس کا مقصد کیا ہے؟ دوسری تعلیم گہوں کی طرح بہتر روزگار کی فراہمی یا اسلام کی حفاظت واشاعت؟ یہ ایک نبوی مشن کا حصہ ہیں یا دوسرے اداروں کی طرح صرف کسبِ معاش کی مشین ہیں؟؟

یہی صورتِ حال عالمِ اسلام میں دیکھنے کو ملتی ہے، مصر میں پچاس سال سے زیادہ ملحد اور بے دین طبقہ برسر اقتدار رہا اور اب بھی ہے؛ لیکن جامع ازہر جیسے باوقار ادارہ کے سربراہ اعلیٰ حکومت کے ہر فیصلہ پر مہر تصدیق ثابت کرتے رہے، کچھ عرصہ پہلے وہاں کے سابق مفتی اعظم نے فتویٰ دے دیا کہ فوجی بغاوت کے خلاف جو شخص احتجاج کرے، وہ قتل کیے جانے کا مستحق ہے، شام کے مفتی اعظم بھی اب تک بشارالاسد کے حق میں فتویٰ دیتے رہے ہیں، یہی حال کم وبیش دوسرے مسلم اور خاص کر عرب ملکوں کا رہا ہے کہ سرکاری طور پر جن لوگوں کو فتویٰ دینے کی خدمت سپرد کی جاتی ہے، انھیں حکومت کی موافقت ہی میں فتویٰ دینا پڑتا ہے، اور گورنمنٹ کے چشم وابرو کے اشارہ پر کام کرنا ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ اربابِ اقتدار سے قربت کا نتیجہ ہے!

اس لیے یہ پہلو ایک لمحۂ فکریہ ہے کہ علماء، مشائخ، مذہبی قائدین اور مذہبی اداروں کو کس طرح حکومت کے اثر سے محفوظ رکھا جائے اور انھیں یہ بات سمجھائی جائے کہ وہ عام لوگوں کی طرح نہیں ہیں، وہ مسلمانوں کے لیے قبلہ نما کا درجہ رکھتے ہیں، وہ راہ رو نہیں ہیں، وہ مشعلِ راہ ہیں، اگر وہ حکومتوں کی زلفوں کے اسیر ہوجائیں اور متاعِ دنیا کے حاصل کرنے کی دوڑ میں جا پڑیں تو یہ ان کے بنیادی مقصد سے بے وفائی اور اپنے خالق سے اور امتِ مسلمہ سے بدعہدی کے مترادف ہوگا، خاص کر ہندوستان جیسے ملک میں پوری گہرائی کے ساتھ اس پر غور کرنا ضروری ہے اور وقت کا تقاضا ہے؛ ورنہ- ہزار بار خدانخواستہ- اسلام کی حفاظت کا یہ آخری قلعہ بھی اپنے مقصد میں ناکام ہوکر رہ جائے گا، وباللہ التوفیق۔

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ

بچوں کے ساتھ بھلائی کرنا

ازقلم: حضرت مولانا مفتی سیّد محمد عفان صاحب منصور پوری (صدرالمدرسین جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کے ساتھ محبت ومودت، رحمت والفت کا معاملہ کرنے کی تلقین کی ہے، ان کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کیا جائے اور ان کو اس سانچے کے اندر ڈھالنے کی کوشش کی جائے جو سانچہ نیک انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیار کر کے دنیا کو دیا گیا ہے، جملہ اولاد کے ساتھ معاملات یکساں ہونے چاہئیں، کسی ایک کو دوسرے کے اوپر ترجیح دینے کا جذبہ اگر والدین کے اندر ہوگا تو اس سے اولاد میں آپسی طور پر بگاڑ پیدا ہوگا، جتنے بچے اللہ نے اپنے فضل سے عنایت فرمائے ہیں سب کو ایک آنکھ سے دیکھنے کی ذمہ داری والدین کی ہے، سب کو یکساں حیثیت سے دیکھا جائے، سب کے حقوق ادا کیے جائیں، یہی وجہ ہے کہ شریعت کا ضابطہ ہے کہ اگر زندگی میں باپ اپنی جائداد تقسیم کر رہا ہے یا ماں اپنے حصہ کا مال اولاد میں تقسیم کر رہی ہے تو جتنا لڑکے کو دے گی اتنا ہی لڑکی کو بھی دے گی، باپ کو جتنا لڑکے کو دینا ہے اتنا ہی لڑکی کو بھی دینا ہے، الا یہ کہ ان میں سے کوئی زیادہ ضرورت مند ہو تو اسے کچھ بڑھا کر بھی دیا جاسکتا ہے؛ ورنہ انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ سب کو یکساں طریقہ سے دیا جائے۔ ہاں! مرنے کے بعد جب وراثت تقسیم ہوگی تو اس میں جو حصہ شرعی طور پر متعین کر دیا گیا ہے اسی کے مطابق تقسیم کرنی ہوگی۔

سب کو یکساں اہمیت دی جائے

عن عامر، أن النعمان بن بشير حدثه، ان أباه انطلق به إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يحمله فقال: يارسول الله إني أشهدك اني قد نحلت النعمان كذا وكذا، فقال: أكل ولدك نحلت؟ قال لا، قال: فاشهد غيري، ثم قال أليس يسرك أن يكونوا في البر سواء؟ قال بلٰى، قال فلا إذا. (بخاری حدیث: ۲۵۸۷)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر فرماتے ہیں کہ ان کے والد بچپن میں ان کو گود میں لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! گواہ رہیے کہ میں نے اپنی

جائیداد کا فلاں فلاں حصہ اپنے بیٹے نعمان کو دے دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً سوال کیا کہ کیا اپنے ہر بچے اور بچی کو تم نے اتنا ہی دیا ہے جتنا نعمان کے نام تم نے کیا ہے، کیا اتنی ہی جائیداد تم نے نعمان کے بھائی بہنوں کے نام بھی کی ہے؟ تو ان کے والد نے عرض کیا: نہیں یارسول اللہ! ایسا تو نہیں ہے۔ (نعمان سے مجھے زیادہ قرب وتعلق ہے، اس کی بناء پر میں نے اس کے نام زیادہ حصہ کر دیا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جلال آ گیا، آپؐ ناراض ہو گئے اور فرمایا جاؤ کسی اور کو گواہ بناؤ (ناانصافی کرتے ہو اور مجھے گواہ بناتے ہو، ایک کے نام زیادہ کر دیا اور دوسروں کو بھول گئے، مجھے اس معاملے میں گواہ مت بناؤ، کسی دوسرے کو بنالو) کیا تمہیں یہ بات خوش نہیں کرے گی کہ تمہاری تمام اولاد تمہارے ساتھ حسنِ سلوک میں یکساں رہے۔ اس پر انھوں نے فرمایا کیوں نہیں! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تم ایسا نہ کرو۔

تشریح

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، آپؓ کے والد حضرت بشیر ابنِ سعد رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد مہاجرین وانصار میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے یہی بشیر ابنِ سعد رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت عبداللہ ابنِ رواحہ رضی اللہ عنہ کی بہن عمرہ بنتِ رواحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تھا، ان کے بطن سے حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے تھے ان کی اور بھی بیویاں تھیں، ان سے بھی اولاد تھیں، حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کی والدہ عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا کا اصرار تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے، اس کو آپ ہدیہ دیجیے۔ بعض روایتوں میں ہدیہ میں غلام دینے کا ذکر ہے اور بعض روایتوں میں باغ کا تذکرہ ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت بشیر ابنِ سعد رضی اللہ عنہ نے پہلی مرتبہ اپنا غلام اپنے بیٹے نعمان رضی اللہ عنہ کو ہدیہ میں دیا تھا، پھر واپس لے لیا تھا اور دوسری مرتبہ باغ دینے کی بات کی تھی، حضرت بشیر رضی اللہ عنہ نے پہلی مرتبہ جو ہدیہ دیا تھا وہ باقی نہیں رکھا تھا؛ اس لیے اب کی مرتبہ آپ کی والدہ کی طرف سے یہ تقاضہ ہوا کہ اس ہدیہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بناؤ تو میں اعتبار کروں گی، حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے نعمان رضی اللہ عنہ کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں اپنے اس بیٹے کو اپنے مال میں سے اتنا اتنا ہدیہ دینا چاہتا ہوں اور اس پر آپ کو گواہ بناتا ہوں۔

دوسری روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تمہاری اور بھی اولاد ہے؟ کہا کہ ہاں! ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو کچھ دیا؟ کہا کہ نہیں! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس پر گواہ نہیں بنتا اور پھر یہ فرمایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری سب اولاد تمہاری خدمت کرے؟ تو حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیوں نہیں! اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تب تو تم اپنی سب ہی اولاد کو برابر دو؛ اس لیے کہ جب وہ سب تمہاری خدمت کررہے ہیں تو اس کا تقاضہ ہے کہ تم بھی ان سب کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو، اب ان میں سے کسی ایک کو ہدیہ دو، بخشش دو، ان کے ساتھ زیادہ پیار اور محبت کرو اور دوسری اولاد سے کم محبت کرو، کم دو، یا بالکل نہ دو، تو تمہارا یہ سلوک ان کے دل ودماغ پر اپنا اثر ڈالے گا اور دھیرے دھیرے ہوسکتا ہے کہ ان کے دل میں تمہارے متعلق کوئی گرہ لگ جائے اور پھر یہی اولاد تمہارے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ نہ کرے، تمہاری یہ روش غلط ہے اور یہ تمہاری اولاد کو تمہارے ساتھ بدسلوکی پر آمادہ کرنے کا ذریعہ بنے گی۔

اگر باپ اپنے کسی بچے کو کسی شرعی وجہ سے زیادہ دے رہا ہے، مثلاً اولاد میں سے کوئی نیک ہے تو اس کی نیکی کی وجہ سے باپ زیادہ دے رہا ہے یا کسی بچے کے حسنِ سلوک اور حسنِ خدمت کی وجہ سے باپ اس کو زیادہ دے رہا ہے اور دوسرے بچوں میں یہ بات نہیں پائی جارہی ہے؛ اس لیے ان کو کچھ کم دے رہا ہے، یا اولاد میں سے کوئی کمزور، اپاہج یا بیمار ہے تو اس کے کمزور، اپاہج اور بیمار ہونے کی وجہ سے ضرورت تھی کہ اس کی طرف کچھ زیادہ توجہ کی جائے تو یہ دینا صحیح ہوگا، یا یہ کہ ماں باپ دیکھ رہے ہیں کہ سب اولاد برسرروزگار ہے؛ لیکن ان میں کوئی بچہ مالی اعتبار سے کمزور ہے اور ماں باپ سمجھ رہے ہیں کہ اقتصادی اعتبار سے اس کا معیارِ زندگی بھی ٹھیک ہوجائے؛ اس لیے اس کو کچھ زیادہ دیا جارہا ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ کسی کو کم یا زیادہ دینے کی کوئی شرعی وجہ ہے اور کسی اولاد کو نقصان پہنچانا مقصود نہیں ہے تو اس طرح کی کمی بیشی سے کسی بچے کو نقصان پہنچانے کی نیت ہو کہ میں ایک سے ناراض ہوں؛ اس لیے اس کو نہ ملے تو اب یہ کمی بیشی کرنے والا گنہ گار سمجھا جائے گا۔ (فتح الله الأحدص: ۱/ ۲۱۰)

مسئلہ

حضرات امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ کے یہاں راجح اور مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ اگر باپ اپنی اولاد کو اپنی حیات میں ہدیہ اور بخشش دینا چاہتا ہے تو اب ہی اولاد کو برابر دے، اگر باپ نے بغیر کسی شرعی وجوہِ ترجیح کے اپنی اولاد میں سے کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دیا تو اس نے یہ اچھا نہیں کیا۔

امام احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری رحمہما اللہ کے یہاں سب اولاد کو برابر دینا ضروری اور فرض ہے، کمی بیشی کے ساتھ دینا صحیح نہیں ہوگا۔

ہاں! وراثت کا مسئلہ الگ ہے، وراثت کی تقسیم خود اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے کردی ہے، اب اس میں کمی بیشی کی کوئی گنجائش نہیں، وراثت میں لڑکے کو لڑکی کے مقابلہ میں دوگنا ملتا ہے، باپ کے انتقال پر باپ کی ملکیت خود بخود ورثاء کی طرف منتقل ہوجاتی ہے، اس میں کسی کے لیے بھی کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔ (فتح الله الأحدص: ۲۱۱/۱)

حدیث کے فوائد

(۱) اس سے یہ ہدایت نبی کریم صلی اللہ علیہ نے دی کہ عدل وانصاف کا پیمانہ ایک مسلمان کے اندر نمایاں ہونا چاہیے اور کوئی ایسا برتاؤ اس کی ذات سے نہ ہونا چاہیے جس سے جانب داری کا خیال ہوتا ہو، جس سے اولاد کے درمیان بگاڑ اور ایک دوسرے کے سلسلے میں حسد کے جذبات پیدا ہوتے ہوں اور اس کی وجہ سے معاشرہ اور قبیلہ کا امن متاثر ہوتا ہو؛ اس لیے اپنی جملہ اولاد، لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان آپسی الفت کے ماحول کو برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرنا والدین کی ذمہ داری ہے، اسی طرح ہر اس عمل سے بچنا بھی ضروری ہے جو ان کے دلوں میں حسد وکینہ اور والدین کی نافرمانی کے جذبات ابھارنے کا سبب بنتا ہو۔

(۲) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب باپ کی طرف سے نابالغ بچے کو کوئی ہدیہ دیا جائے تو اس پر قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے، محض قبول کرلینا بھی کافی ہے۔

(۳) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر مناسب اور ناجائز معاملہ پر کسی کو گواہ بنانا ٹھیک نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری: ح: ۲۵۸۷)

بچوں کے ساتھ شفقت

عن عائشةؓ قالت: أتى النبي صلى الله عليه وسلم ناس من الأعراب، فقال له رجل منهم يارسول الله! اتقبلون الصبيان، فوالله مانقبلهم، فقال رسول اللّٰه: أو أملك إن كان الله عز وجل نزل من قلبك الرحمة؟ (الدرالمنضد ۴۱۳/۱)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، کچھ دیہاتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ حضور! کیا آپ اپنے بچوں کو بوسہ دیتے ہیں، اللہ کی

قسم! ہم تو نہیں دیتے، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے تیرے دل سے محبت وشفقت نکال دیا تو میں کیا کرسکتا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ اگر تم سنگ دل ہو اور رأفت ورحمت کا مادہ ہی تمہارے دل میں نہیں ہے تو میرے اختیار میں تو یہ چیز ہے نہیں کہ تمہارے دل کو رحمت وشفقت کے جذبات سے بھر دوں اور پھر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ جب ہم دوسروں کے ساتھ مہربانی اور کرم وشفقت کا معاملہ کریں گے تو دوسرے بھی وقت آنے پر ہمارے ساتھ کرم اور حسنِ خلق کا معاملہ کریں گے جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے: ''**من لایرحم لایُرحم**'' (جو شخص اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا معاملہ نہیں کرتا، اس کے ساتھ بھی مہربانی کا معاملہ نہیں کیا جاتا)۔

(سنن ترمذی حدیث ۲۳۸۱)

باری تعالیٰ کی صفت رحمت

عن الزهري قال أخبرنا سعيد بن المسيب أن أباهريرة رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: جعل الله عز وجل الرحمة مائة جزء، فامسک عنده تسعة وتسعين، وانزل في الأرض جزء ا واحد، فمن ذلک الجزء يتراحم الخلق، حتى ترفع الفرس حافرها عن ولدها، خشية ان تصيبه.

(اخرج البخاري الادب حديث: ٦٠٠٠)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے صفت رحمت کے سو حصے کیے اور اپنے پاس ۹۹ رحصے رہنے دیے اور زمین کے اندر ساری مخلوق کے درمیان ایک حصہ اُتارا، ساری مخلوق کے لیے زمین میں اُتارے ہوئے ایک حصہ کا نتیجہ یہ ہے کہ مخلوق آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمت ومہربانی کا معاملہ کرتی ہے۔ یہاں تک کہ گھوڑی اپنا پاؤں اپنے بچے کے اوپر سے اس لیے اُٹھائے رکھتی ہے کہ اس کے بچے کو تکلیف نہ پہنچ جائے۔

گھوڑی کو دیکھا ہوگا کہ بچہ اس کے پاس لیٹا ہوا ہوتا ہے اور گھوڑی رات بھر اپنا پاؤں اونچا رکھتی ہے اس خوف سے کہ کہیں اس کا پیر اس کے بچے کو نہ لگ جائے، ایک جانور کے اندر اپنے بچے کے ساتھ جو ہمدردی نظر آرہی ہے یہ اللہ تعالیٰ نے مہربانی کا جو جذبہ رکھا ہے اس کا اثر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سو حصوں میں سے ایک حصہ کا ظہور ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کافر کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کی رحمت کے سو حصے ہیں اور ایک حصہ کا ظہور دنیا میں ہے باقی ننانویں حصے آخرت کے لیے ہے تو وہ بھی جنت کی امید کرنے لگے۔ اور مسلمان کو اللہ کے عذاب کا علم ہو جائے تو وہ بھی جہنم سے ڈرنے لگے۔ اس اندیشہ سے کہیں جہنم میں میں نہ پہنچ جاؤں۔ (بخاری شریف)

حیرت انگیز واقعہ

امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کی کتاب میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے، کہ حضرت ابراہیم بن ادھم ایک سفر میں تھے، ایک جگہ پڑاؤ ہوا، کھانے کا وقت ہوا، دسترخوان بچھایا گیا، کھانا شروع ہوا کہ اچانک ایک کوا اُڑتا ہوا آیا اور دسترخوان سے ایک لقمہ اُٹھا کر اپنی چونچ میں دبایا اور اُڑ گیا، حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں تلاش کروں کہ کہاں یہ کوا جا رہا ہے، قریب بیٹھ کر کھاتا ہے یا دُور جا کر، میں جہاں تک اس کا پیچھا کر سکتا ہوں کروں؛ چنانچہ حضرت اٹھے اور پہاڑوں کے اوپر سے اُڑتے ہوئے اس کوے کا تعاقب کرنے کی کوشش کی، یہاں تک فرماتے ہیں کہ دو پہاڑیوں کے درمیان وہ کوا اترا، میں بھی اس کے نیچے پہنچ گیا، مجھے دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی کہ دو پہاڑیوں کے بیچ میں ایک درخت کے تنے میں ایک آدمی کو ہاتھ پیر باندھ کر ڈال دیا گیا، یہ کوا گیا اور اس کے منھ میں وہ لقمہ ڈالا جو دسترخوان سے اُٹھا کر لایا تھا، یعنی اللہ نے اس بندے کے لیے روزی کا نظم اس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہونے کی حالت میں بھی کر دیا، یہ اللہ کی شانِ رحیمی ہے، وہ کس کے لیے کس طرح روزی کا انتظام فرماتے ہیں۔

رازق تو اللہ ہی ہے

امام رازی رحمہ اللہ نے ایک اور واقعہ ذکر فرمایا ہے کہ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایسے ہی دل میں خیال پیدا ہوا کہ دریائے نیل کے کنارے جانا چاہیے، اللہ کی قدرت کے مناظر دیکھنے چاہئیں؛ چنانچہ گھر سے نکلے اور دریا کے قریب پہنچ گئے، وہاں دیکھا کہ کافی بڑا بچھو ہے، جو تیزی کے ساتھ دریا کی جانب جا رہا ہے، فرماتے ہیں کہ مجھے تعجب ہوا کہ بچھو تو پانی سے بھاگتا ہے یہ دریا کی جانب کیوں جا رہا ہے؛ لیکن جب وہ دریا کے بالکل قریب پہنچا تو بڑا سا مینڈک پانی کے اوپر ظاہر ہوا، بچھو کی نگاہ جیسے ہی اس مینڈک پر پڑی وہ کود کر اس کی کمر پر سوار ہوا، اس کے بعد اس نے چلنا شروع کیا، فرماتے ہیں کہ میرے دل میں اور تجسس پیدا ہوا کہ کیا ماجرا

ہے، بچھو کا یہاں کیا کام؟ دریا کے قریب فوراً اس کے لیے سواری تیار، اللہ کی عجیب حکمت ہے۔ حضرت نے باقاعدہ کشتی کرائے پر لی اس بچھو کا پیچھا کرنے کے لیے کہ دیکھیں یہ کہاں جاتا ہے، فرماتے ہیں کہ میں اس کے ساتھ ساتھ دریا کو پار کرتا چلا گیا، یہاں تک کہ دریا کے اس پار وہ پہنچا، بچھو مینڈک کی کمر سے چھلانگ لگا کر خشکی میں اُترا، حضرت بھی اُتر گئے، اس کا پیچھا کیا تو دیکھا کہ ایک نوجوان شراب کے نشے میں مست پڑا ہوا ہے اور اس کے ناف کے اوپر ایک سانپ ہے جو اپنا پھن پھیلائے ہوئے ہے، قریب ہے کہ وہ سانپ ڈنک مارے اور وہ نوجوان جان گنوا بیٹھے، یہ بچھو گیا اور ایسا سانپ کو ڈنک مارا کہ وہ زمین پر گر گیا، اس کے بعد یہ بچھو کنارہ پر آیا، مینڈک وہاں موجود تھا، اس کے اوپر یہ بچھو سوار ہوا پھر دریا پار کر کے چلا گیا۔

حضرت فرماتے ہیں کہ جب یہ واقعہ پیش آیا تو اس نوجوان کو اٹھایا گیا جو نشہ میں دھت تھا، اس کا نشہ اُترا، اس کو سارا ماجرا بتایا کہ آج تمہارے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا، یہ کرم اللہ نے فرمایا ہے؛ ورنہ تم جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے، تو وہ نوجوان زاروقطار رونے لگا اور اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اُٹھا کر عرض کیا کہ الٰہ العالمین! جب اپنے گنہگار بندے کے ساتھ تیرا معاملہ ہے تو نکوکار بندوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہوگا ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے، میں سارے گناہوں کو چھوڑ کر اپنی زندگی کو تیری اطاعت کے لیے وقف کرتا ہوں، اور پھر اس نے اپنی زندگی کو اللہ کی رضا کے کاموں کے لیے وقف کر دی۔ (التوابین: ۲۲۷) یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے جو مہربانی اور کرم کا معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ فرمایا ہوا ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم اور آپ ٹھاٹھ کے ساتھ جی رہے ہیں اور زندگی گزار رہے ہیں؛ لیکن احسان فراموشی کا یہ عالم ہے کہ اتنی زبردست کرم فرمائیوں کے باوجود بھی اس مالک کو خوش رکھنے کی فکر اپنے دل کے اندر محسوس نہیں ہوتی، دنیا میں تھوڑا بہت ہم پر کوئی احسان کر دیتا ہے تو اس کا چرچا ہم خوب کر دیتے ہیں، اس کا شکریہ ادا کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں؛ لیکن وہ اللہ جو ہر لمحہ ہم پر احسان فرما رہے ہیں، ان کا شکر ادا کرنے کا جذبہ ہمارے دل کے اندر کیوں نہیں پیدا ہوتا، اللہ تعالیٰ اس جذبہ سے ہم سب کو سرشار فرمائے، جو نعمتیں اللہ نے ہمیں عطا فرمائی ہیں۔ باری تعالیٰ ان کی قدردانی کی توفیق مرحمت فرمائے۔

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ

اپنے حاسدین کا شکریہ ادا کیجیے

ازقلم: مفتی محمد اسجد صاحب قاسمی ندوی، مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

آپ پر کی جانے والی تنقیدیں آپ کی قدر و قیمت اور وقعت وعظمت کا ثبوت ہوتی ہیں، اگر آپ پر نہ کوئی نقد کر رہا ہے اور نہ حسد کر رہا ہے تو جیتے جی آپ تعزیت قبول فرمائیے، اب آپ دراصل زندہ نہیں رہے، آپ مر چکے ہیں؛ مگر آپ کو خبر ہی نہیں ہے، اور اگر آپ صبح اٹھیں اور دیکھیں کہ گالی آمیز پیغامات، تبصرے، تنقیدیں اور مضامین آپ کے بارے میں عام ہو رہے ہیں تو اس پر اللہ کا شکر ادا کیجیے، ابھی آپ زندہ ہیں، قابلِ تذکرہ ہیں، اہمیت کے حامل ہیں، لوگ آپ کو یاد رکھے ہوئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کامیابی کی سب سے بڑی علامت آپ پر ہونے والی تنقید ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ نے قابلِ قدر اور قابلِ ذکر کارنامے انجام دیے ہیں، ہاں! ان میں کچھ کمیاں رہ گئی ہیں جنہیں ناقد اپنے خیال کے مطابق پیش کر رہا ہے، کسی پر سرے سے کوئی نقد ہی نہ ہو اور کوئی اس سے حسد کرنے والا ہی نہ ہو تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کا کام صفر ہے اور وہ کسی قابل نہیں ہے۔

ایک مصنف نے یہ مثال لکھی ہے کہ: ''لوگ مردہ کتے کے گلے میں رسی نہیں ڈالتے، زندہ کتے کے گلے میں ڈالتے ہیں'' اس کا مفہوم یہ ہے کہ نقد کا نشانہ کچھ کرنے والے ہی بنتے ہیں، کچھ نہ کرنے والوں کو کوئی ہدفِ تنقید نہیں بناتا، عربی شاعر ابوتمام نے یہ مضمون بہت خوبصورت انداز میں ادا کیا ہے، کہتا ہے ۔

وَ إِذَا أَرَادَ اللّٰـهُ نَشْـرَ فَضِيْـلَةٍ
طُوِيَـتْ أَتَـاحَ لَهَـا لِسَانَ حَسُوْدِ

اللہ جب کسی کے مخفی کمال کو عام کرنا چاہتا ہے تو حاسد کی زبان کو اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔

کسی دانا کی نصیحت ہے کہ آپ اپنے حاسدوں کے شکرگزار رہیے، انہوں نے حسد کر کے آپ کے کمالات کا مفت ایڈورٹائز کر دیا ہے، جب بھی آپ پر دوست نما دشمن حملہ آور ہوں، تو ان کی تردید اور مقابلہ آرائی میں مت الجھئے، ان سے چشم پوشی کیجیے، ان کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا کیجیے، اپنے تعمیری اقدامات اور مثبت کاموں کی رفتار تیز تر کر دیجیے، یہی حاسدوں کی سب سے بڑی سزا ہوگی، متنبّی نے خوب کہا ہے ۔

وَإِنِّیْ وَإِنْ لُمْتُ حَاسِدِیْ فَمَا
أُنْكِرُ أَنِّیْ عُقُوْبَةٌ لَهُمْ

میں اگر چہ اپنے حاسد کو ملامت کرتا ہوں؛ مگر مجھے اس سے انکار نہیں کہ میرا وجود خود میرے حاسدوں کے لیے ایک سزا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ہمارے دوست نما دشمنوں کی تنقید دراصل ہماری اُس کمی کا علاج اور اس تکبر کا توڑ ہوتی ہے جو عقیدت مندوں کی مبالغہ آمیز مدح سرائی اور رنگ آمیزیوں سے ہم میں پیدا ہو جاتا ہے، کسی صاحبِ علم وکمال کے مداح بہت ہو جائیں اور اس کے پیچھے معتقدین کا ایک ہجوم چلنے لگے تو پھر عموماً ایسا ہوتا ہے کہ اس کے قدم زمین پر نہیں پڑتے، وہ اس پندار میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ شاید اس جیسا کوئی نہیں ہے، ایسے میں ضروری ہے کہ ناقدین ومخالفین کا ایک طبقہ اپنا کام کرے؛ تاکہ تنقیدوں کا سلسلہ اس کے کبر وپندار کا علاج ثابت ہو اور وہ اپنی اصل حد سے آگے بڑھنے کی ہمت نہ کرے، دنیا میں ناکارہ اور نکمے لوگوں کا نہ کوئی حاسد ہوتا ہے اور نہ مخالف، ان کی مثال تو پتھروں کی طرح ہوتی ہے، اور پتھروں کی نہ کبھی کوئی ہجو کرتا ہے نہ مذمت، غور کا مقام ہے کہ گرہن سورج اور چاند کو لگا کرتا ہے، ستاروں کا یہ مقام نہیں ہوتا کہ وہ گرہن زدہ ہوں، جاہلی شاعر زہیر کہتا ہے ؎

مُحَسَّدُوْنَ عَلَى مَا كَانَ مِنْ نِعَمٍ
لا يَنْزِعُ اللّٰهُ مِنْهُمْ مَالَهُ حُسِدُوْا

جو نعمتیں انہیں حاصل ہیں، ان کی وجہ سے ان سے حسد کیا جاتا ہے، اللہ ان سے کبھی وہ نعمتیں سلب نہ کرے جس کی وجہ سے وہ حسد کا شکار ہوئے ہیں۔

عربی ادیب ومفکر عقاد کے بارے میں مذکور ہے کہ کسی صاحب قلم نے ان سے شکوہ کیا کہ میڈیا کے لوگ میرے خلاف بہت کچھ لکھتے ہیں اور بکواس کرتے ہیں، عقاد نے ان سے کہا: میڈیا نے آپ کے خلاف جب جب جو کچھ لکھا ہے اُسے ایک جگہ اکھٹا کیجیے، پھر اسے ترتیب سے رکھ دیجیے، پھر اس کے اوپر اپنے پیر رکھ دیجیے، ان صاحب نے ایسا ہی کیا، عقاد نے کہا: آپ ایسا کر کے سطح زمین سے اپنے مخالفین کی تنقیدوں اور تبصروں کے بہ قدر بلند وبالا ہو گئے ہیں، اور مخالفین جتنا نقد وتبصرہ میں اضافہ کرتے جائیں گے آپ کا مقام اتنا ہی بلند ہوتا جائے گا۔

ابن الوزیر نے خوب کہا ہے ؎

وَشَكَوْتَ مِنْ ظُلْمِ الْحَسُوْدِ وَلَنْ تَجِدْ
ذَا سُؤْدَدٍ إِلَّا أُصِيْبَ بِحُسَّدِ

تم حاسد کے ظلم کا شکوہ کرتے ہو، تمہیں کوئی سردار اور بلند مرتبہ شخص ایسا مل ہی نہیں سکتا جسے حاسدوں کا سامنا نہ کرنا پڑا ہو۔

آپ کے دوست نما دشمن آپ سے اس کا انتقام نہیں لیتے کہ آپ نے ان کا سرمایہ چوری کرلیا ہے، یا ان کی جائداد ہڑپ لی ہے؛ بلکہ بات یہ ہے کہ آپ علم، دولت، شہرت، عزت اور نیک کام میں ان سے آگے بڑھ گئے ہیں، آپ نے باہر کی دنیا میں اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیے ہیں، اور ہر چہار جانب آپ کا چرچا ہو رہا ہے؛ اس لیے انہیں گوارا نہیں ہوتا کہ آپ آگے رہیں، وہ آپ کو اپنے سے پیچھے اور کم تر دیکھنا چاہتے ہیں؛ اس لیے وہ حسد اور عداوت اور تنقید وتبصرہ کے ہتھیاروں کا سہارا لیتے ہیں؛ مگر رزلٹ پھر بھی ان کی امید کے خلاف ہوتا ہے، ان کی عداوت جتنی بڑھتی جاتی ہے، صاحبِ کمال کا قد اتنا ہی دراز ہوتا جاتا ہے۔

آپ اپنے حاسدین سے کلمۂ خیر اور حرفِ دعا کی امید مت رکھیے گا، آپ کو ان کی طرف سے سندِ تصدیق وتوثیق ملنے کی توقع نہیں رہنی چاہیے، ان کے پاس آپ کے لیے کلماتِ تبصرہ اور افترا پردازیوں کے سوا کچھ نہیں ہے، آپ کے لیے ان کی طرف سے حسد وعداوت کا تحفہ ہی منتقل ہوسکتا ہے، آپ کو اس تحفے کا استقبال ''اعراض، اغماض، صبر، حلم، درگزر، سیر چشمی، وسعت ظرف اور اپنے مشن کی لگن اور سرگرمی بڑھا دینے'' کے ردِ عمل سے کرنا ہوگا، یہی آپ کی سلامتی اور مستقل کامیابی کا پائدار طریقہ ہے، اور یہی حاسدین ومخالفین کے لیے سب سے مسکت جواب اور اذیت ناک سزا ہے۔

(یہ مضمون دراصل ڈاکٹر عائض القرنی کے ایک مقالے ''أُشْكُرُ حُسَّادَكَ'' کی کچھ ترمیم کے ساتھ ترجمانی اور تلخیص ہے جو اخبار الشرق الاوسط مطبوعہ ۲۵ر صفر المظفر ۱۴۲۸ھ میں شائع ہوا تھا)

اصلاحِ معاشرہ (قسط اوّل)

طلبۂ عزیز سے صاف صاف باتیں

ازقلم: مولانا محمد اویس صاحب رشادی، استاذ دارالعلوم شاہ ولی اللہ بنگلور

علم کی فضیلت

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (ذاریات) اللہ تعالیٰ نے انسان اور جنات کے پیدا کرنے کا مقصد بیان فرمایا ہے کہ میں نے انسان اور جنات کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے "لِيَعْبُدُوْنِ" کی تفسیر "لِيَعْرِفُوْنِيْ" کی ہے؛ چنانچہ:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾

وقال مجاهدؒ: إن المعنٰى: إلا ليعرفوني. قال الثعلبي: وهٰذا قولٌ حسنٌ؛ لأنه لولم يخلقهم لما عرف وجودُه وتوحيدُه". (فتح القدیر للشوکانیؒ) اللہ کی بندگی بجالانے کے لیے اور اس کی معرفت کے لیے اور اس کی رضامندی معلوم کرنے کے لیے علم کی اشد ضرورت ہے اور بقول مولانا روم:

آدمیت لحم و شحم و پوست نیست ❖ آدمیت جز رضائے دوست نیست

یعنی جو اپنے رب کو نہ پہچانے، اپنے بنانے والے، پالنے والے، پیدا کرنے والے کو نہ پہچانے وہ آدمی نہیں ہے، وہ گدھا گھوڑا ہوسکتا ہے، آدمی نہیں ہوسکتا؛ اِس لیے فرمایا: آدمیت جز رضائے دوست نیست بھئی آدمی تو وہ ہوتا ہے کہ اللہ کو راضی کرنے کی فکر میں لگا رہے۔ (مجالس مفتی اعظم: ص/۵۸۴)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علم سے مراد کون سا علم ہے؟ دنیوی فنون کو علم نہیں کہا جاسکتا؛ کیونکہ وہ بود و باش کے ذرائع تو بن سکتے ہیں؛ لیکن آخرت کے اُمور میں مؤثر نہیں ہوسکتے؛ اِس لیے لامحالہ دینی دینی علم ہی کہلائے جانے کا حق دار ہے؛ چنانچہ:

"علم وہ ہے جو گناہ سے زائل ہوجاتا ہے اور گنہگار کو حاصل نہیں ہوتا، محض الفاظ دانی کا نام علم ہوتا تو معاصی کے ساتھ بھی جمع ہوجاتا؛ بلکہ کفر کے ساتھ بھی"۔ (العلم والعلماء: ص/۵۶)

ہاں! ایک صورت میں دنیوی فنون بھی علم کے دائرے میں آسکتے ہیں جب ان کے ذریعہ اللہ کی معرفت

تک رسائی ہو، ڈاکٹر اور طبیب انسانی جسم اور اس کے خدوخال پر نظر ڈالے اور قدرت کے کرشمہ کا ادراک کرے کہ کس طرح قدرتِ الٰہیہ نے ایک مشت حاک میں ایک عالم کو بسایا ہے، انجینئر تعمیرات اور اس کے پُرزوں پر نظر ڈالے پھر تخلیقِ الٰہی میں ایک نظر دوڑائے کہ کائنات کی تعمیر کس خوش اسلوبی کے ساتھ عمل میں آئی ہے، ایک سائنسدان افلاک اور اس کے ستاروں میں تحقیق نظر صرف کرے اور اس بات کو جانے کہ کس طرح خالقِ کائنات نے ان کو وجود بخشا، ضرور یہ تحقیقات اور نظر عبرت اللہ کی معرفت کا راستہ ہموار کرنے میں معاون ثابت ہوگی اور عالمِ دین قال اللہ وقال الرسول کی صداؤں کی وجہ سے، قرآن وسنت کے انوار کی وجہ سے، سیرتِ پاک کی خوشبو کی وجہ سے، اخلاقِ نبوی کی عطر پاشیوں کی وجہ سے ہر حال میں معرفت کا سرچشمہ ہے۔

علماء کا مقام

اسی وجہ سے علماء کا مقام اونچا ہے کہ وہ اللہ کی معرفت کے سرچشمہ سے واقف ہیں اور اللہ کی معرفت کا ایک حصہ ملنے ہی کی وجہ سے وہ اللہ سے ڈرتے ہیں اور اس کی ناراضگی سے خائف رہتے ہیں؛ چنانچہ:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: ﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ اللہ کے بندوں میں علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔

ایسے خداترس علماء ہی کی بدولت آج تک اور ان شاء اللہ قیامت کی صبح تک دین اپنی اصلی شکل میں محفوظ رہیگا۔ اگر حق پرست علماء نہ ہوتے تو دین متین کا یہ نقشہ ہمیں نصیب نہیں ہوتا، انہیں کے اخلاص وللّٰہیت اور قربانیوں کا یہ نتیجہ وپھل ہے کہ آج تک من وعن اسلام کے اصلی نقوش محفوظ ہیں، اللہ ہمیں ان کے نقش پا کی پیروی نصیب فرمائے آمین۔ قربِ قیامت کا یہ دَور حقیقی علم اور حق پرست علماء، متبحر فضلاء، مخلص مقتداء سے خالی ہوتا جارہا ہے، اسلاف تو گزر چکے، نمونۂ اسلاف کو دیکھنے کے لیے آنکھیں ترس رہی ہیں، اور جو ہیں وہ اس قدر کم ہیں جن کو بآسانی اُنگلیوں کے پوروں پر شمار کیا جاسکتا ہے، اللہ ان کی عمروں میں برکت عطا فرمائے، آمین۔

مدارس دین کے قلعے

تقویٰ شعار علماء کو مدارس نے ہی جنم دیا، خداترس علماء اپنے آپ کو مدارس سے وابستہ کرکے اس پر شکرگزار رہتے ہیں، حفاظتِ دین کی خاطر مدارس کے تحفظ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتے ہیں؛ کیونکہ مدارس ہی کے ذریعے سے ایمان واسلام کا تحفظ ممکن ہے؛ چنانچہ مدارس کی عظیم تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے مفکر اسلام حضرت

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب ہندوستان میں حکومتِ مغلیہ کا چراغ گل ہوگیا اور مسلمانوں کا سیاسی قلعہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تو بالغ نظر اور صاحبِ فراست علماء نے جابجا اسلام کی شریعت وتہذیب کے قلعے تعمیر کردیے، انھیں قلعوں کا نام ''عربی مدارس'' ہے اور آج اسلامی شریعت وتہذیب انھیں قلعوں میں پناہ گزیں ہے اور اس کی ساری قوت واستحکام انھیں قلعوں پر موقوف ہیں''۔ (اسلام کے قلعے:۱۷)

مداس کے سلسلہ میں مفکر اسلام حضرت علی میاں ندوی رحمہ اللہ کے یہ فکر انگیز کلمات ملاحظہ کیجیے: ''ان مدارس کی خصوصیت ہے معرفتِ الٰہی پیدا کرنا، اخلاص پیدا کرنا، ایمان واحتساب کی کیفیت پیدا کرنا، اور شریعت کی معرفت، شریعت کی صحیح ترجمانی کی صلاحیت پیدا کرنا''۔ ایک جگہ فرماتے ہیں: ''میں مدرسہ کو نائبینِ رسول وخلافتِ الٰہی کا فرض انجام دینے والے اور انسانیت کو ہدایت کا پیغام دینے والے اور انسانیت کو اپنا تحظ وبقا کا راستہ دکھانے والے افراد تیار کرنے والوں کا ایک مرکز سمجھتا ہوں، میں مدرسہ کو آدم گری اور مردم سازی کا ایک کارخانہ سمجھتا ہوں''۔ (مدرسہ کیا ہے؟)

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ: ''مدرسہ سب سے بڑی کارگاہ ہے، جہاں اادم گری اور مردم سازی کا کام ہوتا ہے، جہاں دین کے داعی اور سپاہی تیار ہوتے ہیں،..... مدرسہ وہ مقام ہے جہاں سے پوری کائنات کی نگرانی کی جاتی ہے،.....اس کا تعلق براہِ راست نبوتِ محمدیؐ سے ہے''۔ (پاجا سراغِ زندگی:ص/۷۹)

یقیناً مدرسہ کا مقام بلند وبالا ہے؛ لیکن آج کے دَور میں ہماری کوتاہیوں کے سبب اور بدنیتی یا بے نیتی کی وجہ سے اکابر کا لگایا ہوا یہ پودا مرجھا جارہا ہے، اس کی طرف کسی کو توجہ نہیں، کوئی تدریس پر قانع ہے، تو کسی کو اہتمام کی کرسی کی فکر دامن گیر ہے اور کسی کی نگاہ صدارت پر جمی ہوئی ہے، جس کی وجہ مدارس کے درودیوار تو نظر آتے ہیں؛ مگر روحانیت نظر نہیں آتی، کس سے اس کا شکوہ کیا جائے، اس کو ہمارے اکابر نے بھی محسوس کیا؛ چنانچہ ایک جگہ حضرت علی میاں ندوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

> ''آپ بُرا نہ مانیں، کہنے والا بھی آپ ہی میں سے ہے، عرصہ سے ہمارے مدارس ان شاداب پھولوں سے خالی ہوتے جارہے ہیں، ان اوصاف میں روز افزوں انحطاط ہے، ہم کو دل پر پتھر رکھ کر سننا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ کہنے والے نے کہاں تک صحیح کہا ہے کہ:
>
> اُٹھا میں مدرس و خانقاہ سے نمناک
> نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ
>
> اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے مدارس سے جس تعداد میں لوگ فارغ ہوکر نکلتے ہیں، کبھی اس تعداد میں

نہیں نکلتے تھے؛ لیکن زندگ پر کوئی اثر نہیں ڈال رہے ہیں''۔ (پاجاسراغِ زندگی: ص/۸۴)

دارالعلوم دیوبند کی دو خاصیتیں تھیں: ایک علم کی گہرائی اور پختگی، اس کے ساتھ ساتھ ایک بات اور بھی تھی، وہ بات دارالعلو دیوبند کے علاوہ کسی تعلیمی نظام میں نہیں ملتی، وہ باطنی تربیت ہے اور باطن کی اصلاح ہے، دل کی اصلاح ہے۔

بقول حضرت مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی: ''والد صاحب بار بار فرمایا کرتے تھے کہ علمی تحقیق میں اللہ نے کمال عطا کیا علمائے دیوبند کے اکابر کو؛ لیکن یہ کمال دیوبند کے ساتھ خاص نہیں تھا، جامعۃ الازہر میں بھی اس زمانے میں علم کی گہرائی اور پختگی کم نہیں تھی۔ اب تو وہ بات نہیں رہی؛ لیکن اس زمانے میں جب ہمارے اکابر یہ کام کررہے تھے، جامعۃ الازہر میں بھی کمی نہیں تھی؛ لیکن جس چیز کی کمی جامعۃ الازہر مس ی تھی اور اسے دارالعلوم نے پورا کیا، وہ باطن کی اصلاح تھی''۔ ''والد صاحب س ہم اپنے بزرگوں کی باتیں سنتے رہے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند دن میں درس گاہ ہوتی تھی اور راتوں کو طلبہ کے حجروں سے رونے کی آوازیں آتی تھیں اور خانقاہ بن جاتی تھیں، کسی نے دارالعلوم دیوبند کے بارے میں ہی کہا تھا کہ: ''در مدرسہ خانقاہ دیدم'' وہ صرف مدرسہ ہی نہیں تھا؛ بلکہساتھ ساتھ خانقاہ بھی تھا، دن کو وہ علماء تھے، راتوں کو راہب بن جاتے تھے''، ''ہمارے دادا حضرت مولانا یاسین رحمہ اللہ کا مقولہ والد صاحب کثرت سے سنایا کرتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ: میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ دَور دیکھا ہے کہ جب یہاں کے مہتمم اور شیخ الحدیث سے لے کر چپراسی اور چوکی دار تک سب صاحبِ نسبت والی اللہ ہوتے تھے۔ خوب سمجھ لیجیے کہ دارالعلوم دیوبند کا فیض جو پوری دنیا میں پھیلا ہے تو صرف علمِ ظاہری کی وجہ سے نہیں پھیلا، علم ظاہری اور بھی بہت جگہوں پر تھا؛ بلکہ وہ باطن کی اصلاح تھی اور اس علم کو اپنی صفت بنالینا اور اس کے ساتھ متصف ہوجانا یہ بزرگانِ دیوبند کا خاصہ تھا اور یہ وہی خاصہ تھا جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیب ہوا تھا، ہمارے بزرگوں نے اخلاص وللّٰہیت، تواضع اور تقویٰ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی یادیں تازہ کیں''۔ (ماہنامہ الشریعہ مئی، جون ۲۰۰۹)

ہمارا انتخاب

علم کا اپنا ایک بلند مقام ہے، علماء کا عظیم مرتبہ، مدارسِ اسلامیہ کی قدر و منزلت آپ کے سامنے ہے، اس دنیا میں بھی اور دارِ آخرت میں بھی اسی علم اور حاملین علم کو سرخروئی حاصل ہوگی، اور یہ بات مبرہن ہے؛ لہٰذا ہم یکسوئی کے ساتھ اس بات پر غور کریں کہ ہم میں وہ کون سی ایسی خوب ہے جس کی وجہ سے اس علم کے حصول کے لیے ہمارا

انتخاب عمل میں آیا، یقیناً یہ محض اللہ ہی کا کرم وفضل ہے کہ اس نے ہمیں منتخب فرمایا، بلا استحقاق ہمیں اس عظیم المرتبت دولت کے حاملین میں شامل فرمایا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست ❖ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آج کے اس ترقی یافتہ دَور میں دنیا کے طول وعرض پر نظر ڈالنا کوئی مشکل نہیں، شرق وغرب کا ایک جائزہ لے لیں، ہماری عمر کے کتنے ایسے بچے، جوان اور بوڑھے ہیں جو زیورِ علم سے عاری ہیں، دن بھر ٹھوکریں کھانے کے سوا انھیں کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا، کتنے ایسے افراد ہیں جو دولت، عمت، شہرت، راحت کے متمنی ہیں؛ بلکہ اس پر حریص ہیں؛ مگر انھیں مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں لگتا یا کسی کسی کو یہ چیزیں مل بھی جائیں تو وہ ہامان وقارون اور فرعون کی روش پر چل کر اپنی دنیا وآخرت تباہ کر بیٹھتے ہیں؛ مگر ہمارے اسلاف واکابر زیورِ علم سے آراستہ ہوکر خلوصِ دل کے ساتھ دین کی اشاعت میں لگا دیا، اللہ کی رضا مندی وخوشنود اور دارِ آخرت کو سامنے رکھ کر اپنا فریضہ ادا کرنے میں مشغول رہے، تب جا کر دولتِ عزت، شہرت اور راحت نے ان کی قدم بوسی کو اپنی سعادت سمجھا، اللہ ہمیں بھی اخلاص وللّٰہیت کی دولت سے سرفراز فرمائے، آمین۔

شکر بجالائیں

علمِ دین اور حاملینِ علومِ نبوت کی اس قدر فضیلت ہے تو پھر اس علم کے لیے ہمارا انتخاب باعث شکر وامتحان ہے، شکر کا حق اسی وقت ادا ہوگا جب صحیح معنیٰ میں علم کا حصول ہو اور اس پر اخلاص کے ساتھ عمل ہو اور دارِ آخرت میں اس پر مرتب ہونے والے ثواب کا یقین ہو اور اس علم کی روشنی میں ایک اللہ کی معرفت کی جستجو ہو؛ ورنہ نقوش پڑھنے اور رٹنے کا نام علم نہیں، علم کے تقاضوں کے خلاف چلنے والا عالم نہیں، بقولہ علامہ تفتازانی:

وقد ينزل المخاطب العالم بهما أي بفائدة الخبر ولازمها منزلة الجاهل لعدم جريه علىٰ موجب العلم فإن من لايجري علىٰ مقتضي علمه هو والجاهل سواء.

(مختصر المعانی)

ترجمہ: اور کبھی اُتار لیا جاتا ہے ان دونوں کے عالم مخاطب کو جاہل مرتبہ میں اس کے موجب علم پر نہ چلنے کی وجہ سے؛ اِس لیے کہ جو شخص اپنے علم کے مقتضیٰ پر نہیں چلتا وہ اور جاہل دونوں برابر ہیں۔

اصل چیز عمل ہے، بغیر عمل سب بے کار ہے، خواہ علم ظاہر ہو یا علم باطن، اصل فضیلت عمل ہی کی ہے، عمل ہی سے دین کی تکمیل ہوتی ہے۔ دیکھیے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کتابی علم کہاں تھا؛ مگر قبولیت اظہر من الشمس ہے۔ اس کی

وجہ یہی ہے کہ علم سے زیادہ ان کے پاس عمل تھا۔(العلم والعلماء:ص/۱۹۱)اوراسی طرح پڑھنے کے زمانے میں اس کی قدرومنزلت کو نہ پہچاننے والا اوراس پر شکر نہ کرنے والا طالبِ علم نہیں؛ اِس لیے عزیزو! اللہ کی صفتِ صمدیت کا استحضار ہر وقت رہے، ابلیس، بلعم، برصیصا کا کیا حشر ہوا ہمیشہ پیشِ نظر رہے۔

قدر پہچانیں

اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں، ہر نعمت قدر کی نگاہ سے دیکھے جانے کے لائق ہے، جس علم کے لیے اللہ نے ہمیں چنا ہے اس علم کو دنیا کی ہماروں نعمت سے برھ کر جانیں، دل سے اس کی قدر پہچانیں، بزبان قال وحال کہیں:

رَضِيْنَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِيْنَا ❖ لَنَا عِلْمٌ وَلِلْأَعْدَاءِ مَالٌ

فَإِنَّ الْمَالَ يَفْنٰى عَنْ قَرِيْبٍ ❖ وَ إِنَّ الْعِلْمَ بَاقٍ لَايَزَالُ

''ہم اپنے حق میں اللہ کی تقسیم پر راضی ہیں، ہمارے لیے علم اور ہمارے دشمنوں کے لیے مال، مال عن قریب فنا ہونے والا ہے، علم ہمیشہ باقی رہنے والا ہے''۔

آج علمِ دین کی صحیح معنیٰ میں قدر کرنے والے اور قدر کی نگاہ سے دیکھنے والے بہت کم نظر آرہے ہیں، بعضوں کو عالم وحافظ بن جانے پر افسوس بھی ہوتا ہے، کبھی بزبان قال اظہا کر دیتے ہیں اور کوئی بزبان حال اس کا مشاہدہ کرادیتے ہیں، اسی طرح علم حاصل کرنے کے بعد اس پر عمل پیرا نہ ہونا بھی اس کی ناقدری ہے، علم عمل کے لیے ہے، علم عمل ہی سے زندہ رہتا ہے اور روز بروز اس میں ترقی ہوتی ہے۔

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ

زم زم؛ فضائل اور آداب

ازقلم: مفتی عبداللطیف صاحب قاسمی، استاذ مدرسہ عربیہ غیث الہدیٰ بنگلور

مسجدِ حرام میں موجود مشہور بابرکت، باعظمتا ور محترم کنویں کے پانی کا نام ہے ''زم زم کا کنواں'' اور کعبہ شریف کے درمیان تیس یا اڑتیس ذراع کا فاصلہ ہے، یہ کنواں مقامِ ابراہیم کے جنوبی سمت میں واقع ہے، زمزم دنیا کے تمام پانیوں میں سب سے افضل، نہایت ہی مصفیٰ پاکیزہ، حیات بخش اور جاں فزا چشمہ ہے، اس سے زیادہ صحت بخش اور افضل پانی روئے زمین پر نہیں ہے۔

یہ وہی کنواں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرابی کے لیے نکالا، جب کہ حضرتا سماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام شیرخوار بچے تھے، ماں کے پاس توشہ ختم ہو چکا تھا، ماں کے پاس دودھ بھی باقی نہیں رہا، مدد کی تلاش میں بے چین و بے قرار ہوکر قریبی پہاڑیوں صفا اور مروہ پر سات چکر لگا رہی تھیں، ادھر حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پیر کی مار سے زمزم کا کنواں وجود میں آیا۔

(بخاری، کتاب الانبیاء:۳۳۶۵)

ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان میں آرام فرما تھے، نیم خوابی کی حالت تھی کہ اچانک چھت پھٹی، چھت سے جبرئیل امین علیہ السلام اُترے، آپ کے ہم راہ دیگر فرشتے بھی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جگایا گیا، پھر مسجدِ حرام میں مقامِ حطیم میں لٹا دیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے، پھر حضرت جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام آپ کو جگا کر بیر زمزم پر لے گئے، پھر لٹا کر سینۂ مبارک کو چاک کیا، قلب مبارک کو نکال کر زمزم سے دھویا، پھر ایک سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان وحکمت سے بھرا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں اُس ایمان وحکمت کو اُنڈیل دیا گیا۔(رواہ البخاری فی حدیث طویل وفی مواضع متعددۃ، باب کیف فرضۃ الصلاۃ:۳۴۹)

اگر کوئی اور پانی زمزم سے افضل اور بہتر ہوتا، تو اُس پانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کو دھویا جاتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

خير ماء علىٰ وجه الأرض ماء زمزم، فيه طعام من الطعم، وشفاء من السقم. (قال الهيثمي: روى الطبراني والبزار، ورجال البزار رجال الصحيح، مجمع الزوائد:۵۷۱۱)

''روئے زمین کا سب سے بہتر پانی زمزم ہے، جس میں غذائیت بھی ہے اور بیماری کے لیے صحت وتندرستی بھی''۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

صلّوا في مصلى الأخيار، واشربوا من شراب الأبرار. (اخبار مكة للأزرقي ذكر فضل زمزم:٥٢/٢)

''نیک لوگوں کے مصلیٰ پر نماز پڑھو اور نیک لوگوں کا پانی نوش کرو''۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا: نیک لوگوں کے مصلیٰ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: میزابِ رحمت کے نیچے کی جگہ، عرض کیا گیا: صالحین کے پانی سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: زمزم۔

زمزم پینے کے آداب:

زمزم پیٹ بھر کر پیا جائے کہ کوکھیں باہر نکل آئیں اور پیاس وتشنگی مکمل طور سے ختم ہو جائے، پیتے وقت اپنی دنیا وآخرت کے لیے دعائیں کرے؛ کیوں کہ قبولیت کا موقع ہے۔

محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَیں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی مجلس میں حاضر تھا، ایک شخص مجلس میں حاضر ہوا، آپ رضی اللہ عنہما نے معلوم کیا تم کہاں سے آرہے ہو؟ اُس شخص نے عرض کیا بیرِ زمزم کے پاس سے آرہا ہوں، فرمایا: زمزم جیسے پینا تھا ویسے پیا؟ اُس نے عرض کیا کیسے پینا چاہیے؟ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

(۱) قبلہ کی طرف چہرہ کرو

(۲) بسم اللہ پڑھو

(۳) تین سانس میں پیو

(۴) اور خوب پیٹ بھر کر پیو کہ کوکھیں باہر نکل آئیں

(۵) جب فارغ ہو جاؤ تو **الحمدللّٰہ** کہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمارے اور منافقین کے درمیان فرق یہی ہے کہ وہ زمزم پیٹ بھر کر نہیں پیتے۔ (رواه ابن ماجة، كتاب الحج، شرب زمزم: ٣٠٦١)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر زمزم نوش فرمایا ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

سقيت رسول الله صلّى الله عليه وسلم من زمزم، فشرب وهو قائم. (مسلم، كتاب الأشربة، باب في الشرب من زمزم قائمًا:٢٠٢٧)

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آبِ زمزم پلایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر نوش فرمایا''۔

إن ابن عباس رضي الله عنهما حدثه قال: سقيت رسول الله صلّى الله عليه وسلم من زمزم، فشرب وهو قائم، قال عاصم: فحلف عكرمة ماكان يومئذ إلا علىٰ بعير. (بخاری، كتاب الحج، باب ماجاء في زمزم:١٦٣٧، ابن ماجة، كتاب الأشربة، باب الشرب قائما:٣٤٢٢)

اس روایت کو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ان کے شاگرد شعبیؒ روایت کرتے ہیں، حضرت شعبی رحمہ اللہ کے شاگرد عاصم بیان کرتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے دوسرے شاگرد حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے بیان کی، تو انھوں نے قسم کھا کر کہا کہ اُس دن (طوافِ زیارت کے دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار تھے، یعنی طوافِ زیارت کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہوکر پانی پینے کا انکار کردیا، یعنی اس روایت میں کھڑے ہوکر پینے کی جو بات کہی جارہی ہے وہ حقیقت پر محمول نہیں ہے؛ بلکہ سواری پر سوار ہوکر پینے ہی کو کھڑے ہوکر پینے سے تعبیر کردیا گیا ہے۔

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں سنن ابوداؤد میں حضرت عکرمہؒ سے روایت ہے:

عن ابن عباس أن رسول الله صلّى الله عليه وسلم قدم مكة وهو يشتكي، فطاف علىٰ راحلته كلما أتى على الركن استلم الركن بمحجن، فلما فرغ من طوافه، أناخ، فصلىٰ ركعتين. (سنن أبي داؤد، كتاب المناسك، باب الطواف الواجب:١٨٨١، مسند أحمد:٢٧٧٢)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لے آئے، آپ بیمار تھے؛ اِس لیے سواری پر طواف فرمایا، جب جب بھی حجرِ اسود کے قریب آتے تو ایک چھڑی سے استیلام فرماتے، جب طواف سے فارغ ہوگئے تو اُونٹنی کو بٹھایا اور طواف کی دو رکعتیں ادا فرمائیں''۔

ہوسکتا ہے کہ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ نے کھڑے ہوکر پینے کی ممانعت کی روایات کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہوکر زمزم پینے کا انکار کردیا ہو۔

بخاری شریف ہی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عن النزال، قال: أتى علي رضي اللّٰه عنه علٰى باب الرحبة، فشرب قائمًا فقال: إن ناسا يكره أحدهم أن يشرب وهو قائم، وإني رأيت النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم فعل كما رأيتموني فعلت. (بخاری، کتاب ال۔شربة، باب الشرب قائماً:۵۶۱۵)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ رحبہ کے دروازہ پر آئے اور کھڑے ہوکر پانی نوش کیا، پھر فرمایا: بعض لوگ کھڑے ہوکر پانی پینے کو ناپسند کرتے ہیں، میں نے سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے جس طرح میں نے کیا''۔

اس روایت سے کھڑے ہوکر پینے کا جواز معلوم ہوتا ہے، گویا حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ آبِ زمزم کھڑے ہوکر پینے کے جواز کے قائل ہیں۔ (فتح الباری، کتاب الحج، باب ماجاء في زمزم:۱۶۳۷)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کی بات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث ہے:

ثم ركب رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم، فأفاض إلى البيت، فصلّى بمكة الظهر، فأتى بني عبدالمطلب، يسقون علٰى زمزم، فقال: انزعوا، بني عبدالمطلب، فلولا أن يغلبكم الناس علٰى سقايتكم، لنزعت معكم، فناولوه دلوا، فشرب منه الخ. (مسلم في حديث طويل:۱۲۱۸)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنوعبدالمطلب کے پاس آئے، وہ لوگ زمزم نکال کر حجاج کو پلا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بنوعبدالمطلب! زمزم نکالو، سقایہ کے سلسلے میں تم پر لوگوں کے غالب آنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں بھی تمہارے ساتھ پانی نکالنے میں شریک ہوجاتا (اس لیے کہ میں بھی تمہارے ہی خاندان کا ایک فرد ہوں؛ لیکن اگر میں اِسوقت زمزم نکالوں، تو لوگ اس کو ارکانِ حج میں شامل سمجھ کر تمہیں پریشان کریں گے؛ اِس لیے میں تمہارے ساتھ شریک نہیں ہورہا ہوں) پھر بنوعبدالمطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ڈول دیا، جس سے آپ صلی اللہ علیہ نے زمزم نوش فرمایا الخ''۔

اس روایت کے سیاق سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طواف کی دو رکعت ادا کرنے کے بعد زمزم پر تشریف لے گئے ہیں اور اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار نہیں تھے (لہٰذا حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کا انکار غیر مناسب ہے)۔ (لامع الدراری:۲/۲۰۷)

حافظ ابنِ حجر اور حضرت شیخ الحدیث رحمہما اللہ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر کھڑے ہوکر زمزم نوش فرمایا ہے، یہ یقینی بات ہے۔

زمزم کھڑے ہوکر پینا افضل ہے یا بیٹھ کر؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام حالات میں بیٹھ کر پانی پیا کرتے تھے، بعض روایات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کھڑے ہوکر پانی پینا بھی ثابت ہے، بعض روایات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پانی وغیرہ پینے سے سخت منع فرمایا؛ یہاں تک اشاد فرمایا کہ جو شخص کھڑے ہوکر پانی پیئے اُس کو چاہیے کہ وہ قئ کردے۔

ان متعارض روایات میں تطبیق دیتے ہوئے بعض محدثین نے کھڑے ہوکر پانی پینے کی روایات کو منسوخ قرار دیا ہے، بعض حضرات نے کھڑے ہوکر پانی پینے کو رخصت قرار دیا ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الصواب فيها أن النهي فيها محمول علىٰ كراهة التنزيه وأما شربه صلّى اللّٰه عليه وسلم قائما فبيان للجواز. (شرح مسلم، كتاب الأشربة، باب الشرب قائمًا: ٢٠٢٤، عمدةالقاري، كتاب الحج، باب ماجاء في زمزم:٢١٩/٧)

سب سے راجح قول یہ ہے کہ (بلاضرورت) کھڑے ہوکر پانی پینا مکروہِ تنزیہی ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

هي طريقة الخطابي وابن بطال في آخرين، وهٰذا أحسن المسالك وأبعدها عن الاعتراض. (لامع الدراري علىٰ جامع البخاري، كتاب الحج، باب ماجاء في زمزم:٢٠٦/٢)

''کھڑے ہوکر پانی پینے سے متعلق علامہ خطابی، ابنِ بطال اور دیگر محدثین رحمہم اللہ کی یہی رائے اور توجیہ ہے جو سب سے شاندار اور اعتراضات سے دُور ہے''۔

کھڑے ہوکر پانی پینے کی بحث میں محدثینِ کرام نے زمزم اور وضو سے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہوکر پینے کی ممانعت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، یعنی ان دونوں پانیوں کو بلاضرورت کھڑے ہوکر پینے کی بھی اجازت ہے۔

(لامع الدراري علىٰ جامع البخاري، كتاب الحج، باب ماجاء في زمزم:٢٠٦/٢)

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

إنما شرب قائما للحاجة فإنه جاء إلىٰ زمزم، وهم يستقون منها، فاستقى فناولوه

الدلو، فشرب وهو قائم، وهٰذا كان موضع حاجة. (زادالمعاد في هدي خير العباد، فصل بيان الاختلاف في جواز الشرب قائمًا:٤/٢٠٩)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کی وجہ سے کھڑے ہوکر زمزنوش فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ زمزم پر تشریف لے آئے، وہ لوگ زمزم نکال رہے تھے، انھوں نے ایک ڈول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر نوش فرمایا، یہ ضرورت کی بنا پر تھا''۔

ملاعلی قاری رحمہ اللہ مسلم کی مذکورہ بالا روایت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قيل: يستحب أن يشرب قائما، وفيه بحث، لأنه عليه الصلاة والسلام شربة قائما لبيان الجواز أو لعذر به في ذٰلک المقام من الطين أو الازدحام، فإنه صح نهيه عن الشرب قائما بل أمر من شرب قائمًا أن يتقيا ماشربه.

(مرقاة المفاتيح، كتاب الحج، باب قصة حجةالوداع:٢٥٥٥)

''بعض لوگوں نے کہا ہے کہ زمزم کھڑے ہوکر پینا مستحب ہے؛ لیکن اس مسئلہ میں بحث ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیانِ جواز کے لیے یا اس جگہ مٹی، کیچڑ اور بھیڑ کے عذر کی وجہ سے کھڑے ہوکر زمزم نوش فرمایا ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیثِ صحیحہ سے کھڑے ہوکر پینے کی ممانعت وارد ہوئی ہے؛ بلکہ آپ نے کھڑے ہوکر پی گئی چیز کو قئ کرنے کا حکم فرمایا ہے (پھر کھڑے ہوکر پینے کو مستحب کہا جاسکتا ہے؟)''۔

خلاصۂ کلام:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر کھڑے ہوکر زمزم نوش فرمایا تھا، یہ بات محدثین کے نزدیک ثابت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہوکر زمزنوش فرمانا، یہ عذر کی بنا پر تھا یا بیانِ جواز کے لیے ہے، نہ کہ استحباب کے لیے۔

یہ توجیہ علامہ خطابی، ابنِ بطال، علامہ نووی، حافظ ابنِ حجر، حافظ ابن القیم اور ملاعلی قاری رحمہم اللہ وغیرہ محدثینِ کرام نے بیان کی ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف حجۃ الوداع کے موقع پر زمزم کھڑے ہوکر پینا ثابت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضراتِ صحابۂ کرامؓ وتابعینؒ سے زمزم کھڑے ہوکر پینا ثابت نہیں ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے

ہوکر زمزم نوش فرمایا؛ لیکن جب تلامذہ کو زمزم پینے کے آداب سکھائے، تو ان آداب میں کھڑے ہوکر زمزم پینے کا ذکر نہیں ہے، معلوم ہوا کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہوکر زمزم نوش فرمانے کو بیان جوازِ یا عذر پر محمول فرمارہے ہیں؛ ورنہ آپؐ تلامذہ کو کھڑے ہوکر زمزم پینے کا حکم فرماتے۔

بعض محدثین فرماتے ہیں: ماءِ زمزم کھڑے ہوکر پینا ہی مستحب ہے۔

علامہ ابنِ ہمام، علامہ حصکفی اور علامہ طحطاوی رحمہم اللہ وغیرہ حضرات نے زمزم پینے کے آداب کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ زمزم کھڑے ہوکر نوش کرے؛ لیکن کوئی دلیل بیان نہیں کی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ "**شرب من زمزم وهو قائم**" کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کھڑے ہوکر پانی پینے کی ممانعت بھی آئی ہے، اس بنا پر بعض علماء نے زمزم پینے کو بھی اِس ممانعت میں داخل فرما کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس نوش فرمانے کو ازدحام کے عذر یا بیانِ جواز پر محمول فرمایا ہے؛ لیکن علماء کا مشہور قول یہ ہے کہ زمزم اس نہی میں داخل نہیں، اس کا کھڑے ہوکر پینا ہی افضل ہے''۔ (خصائلِ نبوی: تقی ندوی، باب ماجاء في صفة شراب رسول اللّٰہ صلّی اللہ علیہ وسلم:۳۱۳)

حضرت شیخ رحمہ اللہ نے ''لامع الدراری'' شرح بخاری اور ''اوجز المسالک'' میں اس مسئلہ میں بحث فرمائی ہے، محدثین کے تمام اقوال کو جمع فرمایا ہے؛ لیکن استحباب کی کوئی دلیل مذکورہ کتابوں میں بھی بیان نہیں فرمائی۔

بعض موجودہ اکابر اور بعض معتبر دارالافتاء والوں نے ملاعلی قاری رحمہ اللہ کی مندرجہ ذیل عبارت کو بطور دلیل پیش کیا ہے:

النهي عنده (عند علي) ليس علىٰ إطلاقه فإنه مخصص بماء زمزم، وشرب فضل الوضوء كما ذكره بعض علمائنا. وجعلوا القيام فيهما مستحبًا وكرهوه في غيرهما؟ إلا إذا كان ضرورةً، ولعل وجه تخصيصهما أن المطلوب في ماء زمزم التضلع ووصول بركته إلىٰ جميع الأعضاء، وكذا فضل الوضوء مع إفادة الجمع بين طهارة الظاهر والباطن، وكلاهما حال القيام أعم، وبالنفع أتم. (مرقاة المفاتيح، كتاب ال۔شربة:٤٢٦٩)

''ملاعلی قاری رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت: وضو سے بچے ہوئے پانی کو کھڑے

ہوکر پینا) تشریح کے ذیل میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ کھڑے ہوکر پینے کی ممانعت سے زمزم اور وضو سے بچا ہوا پانی مستثنیٰ ہیں، جیسا کہ بعض علماء نے بیان کیا ہے اور ان دونوں پانی کو کھڑے ہوکر پینے کو مستحب قرار دیا ہے، دوسرے قسم کے پانی اور مشروبات کو بلاضرورت کھڑے ہوکر پینے کو مکروہ قرار دیا ہے، شاید آبِ زمزم کھڑے ہوکر پینے کی وجہ یہ ہیکہ زمزم میں مطلوب یہ ہے کہ خوب سیر ہوکر پانی پیا جائے اور اس پانی کی برکت جسم کے تمام اعضاء تک پہنچ جائے، اسی طرح وضو سے بچا ہوا پانی کا معاملہ ہے''۔

قابلِ غور بات یہ ہیکہ اس مقام پر ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بعض علماء جو زمزم کھڑے ہوکر پینے کو مستحب قرار دیتے ہیں اُن کی توجیہ کو ذکر فرمایا، تائید نہیں فرمائی ہے، کھڑے ہوکر زمزم پینے سے متعلق اپنی تحقیق تھی اس کو کتاب الحج میں ذکر کردیا ہے، پھر اس عبارت سے استحباب پر استدلال کرنا کیسے درست ہوگا۔

علامہ شامی رحمہ اللہ کی فیصلہ کن بات:

علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں ایک فیصلہ کن بات تحریر فرمائی ہے، آپؒ نے لکھا ہے:

الحاصل إن انتفاء الكراهة في الشرب قائمًا في هٰذين الموضعين محل كلام فضلا عن استحباب القيام فيهما وعلى الأوجه عدم الكراهة، إن لم نقل بالاستحباب لأن ماء زمزم شفاء، وكذا فضل الوضوء. (ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب في مباحث الشرب قائما: ۱/۲۵۵)

''ماءِ زمزم اور وضو سے بچا ہوا پانی کھڑے ہوکر پینا بجائے خود قابلِ غور اور محلِ بحث ہے، چہ جائے کہ کھڑے ہوکر پینے کو مستحب کہا جائے، زیادہ بہتر توجیہ یہ ہے کہ زمزم اور وضو سے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہوکر پینا بلا کراہت جائز ہو نہ کہ مستحب''۔

مکہ مکرمہ سے زمزم لے آنا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب مکہ مکرمہ سے واپس جاتیں تو اپنے ساتھ زمزم لے جاتیں اور فرماتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ لے جاتے تھے۔ (رواه الترمذي عن عروة، أبواب الحج، باب: ۹۵۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سہل بن عمرو رضی اللہ عنہ سے بطور ہدیہ زمزم کا پانی منگوایا۔ (مجمع الزوائد، كتاب الحج، باب في زمزم: ۵۷۱۶)

امام زرقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا، جس میں یہ حکم تھا کہ اگر میرا پیغام تمہیں رات میں پہنچے تو صبح سے پہلے، اگر صبح پیغام پہنچے تو شام سے پہلے پہلے زمزم میرے پاس بھیجو؛ چناں چہ ان کی اہلیہ نے اپنی باندیوں کی مدد سے دو مزادے تیار کیے (ایک مزادہ: اُونٹ کی پیٹھ پر ایک طرف لادھا جانے والا بوجھ)، پھر مدینہ کی جانب اپنے غلاموں کے ذریعہ روانہ کر دیا۔

(اخبار مكة للأزرقي، ذكر فضل زمزم: ۵۲/۲)

زمزم اور مقاصد کی تکمیل:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ماء زمزم لما شرب له. (رواه أحمد، وابن ماجة، كتاب الحج، باب شرب زمزم: ۳۰۶۲)

''ماءِ زمزم جس مقصد کی تکمیل کے لیے پیا جاتا ہے اُس مقصد میں کامیابی ملتی ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ماء زمزم لما شرب له إن شربته تستشفي شفاك اللّٰه، وإن شربته مستعيذا أعاذك اللّٰه، وإن شربته ليقطع ظمأك قطعه اللّٰه، وكان ابن عباس إذا شرب ماء زمزم، قال: اللّٰهم اسئلك علما نافعا ورزقا واسعا، وشفاء ا من كل داء. (رواه الحاكم: ۱۷۳۹)

''ماءِ زمزم جس مقصد کے لیے پیا جاتا ہے وہ مقصد حاصل ہوتا ہے، اگر تم صحت وتندرستی کے لیے پیو تو تم کو اللہ تعالیٰ صحت وتندرستی عطا فرمائیں گے، اگر تم کسی سے پناہ طلبی کے لیے پیو گے تو تم کو اللہ پاک پناہ عطا فرمائیں گے، اگر تم تشنگی اور پیاس بجھانے کے لیے نوش کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری پیاس کو دُور فرمائیں گے''۔

اکابر کے تجربات:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ زمزم کے پاس حاضر ہوئے، فرمایا: اے اللہ! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پہنچی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جس مقصد سے زمزم نوش کیا جاتا ہے اُس مقصد میں کامیابی حاصل ہوتی ہے، **اللّٰهم إني أشربه لعطش يوم القيامة** (اے اللہ! میں قیامت کے دن کی پیاس سے بچنے کے لیے زمزم نوش کرتا ہوں)۔ (فتح القدير، كتاب الحج، باب الاحرام، فصل في فضل ماء زمز: ۵۲۰/۲)

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے نشانہ بازی کی درستگی کی نیت سے زمزم نوش فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ان کے

نشانہ کو درست فرمایا؛ چناں چہ دس تیروں میں سے نو تیر نشانہ پر لگتے تھے۔

امام حاکم ابوعبداللہ نیساپوری رحمہ اللہنے حسنِ تصنیف وتالیف کی نیت سے زمزم نوش کیا؛ چناں چہ وہ اپنے زمانہ کے بہترین مصنّف شمار کیے گئے۔

شارح بخاری حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بے شمار لوگوں نے مختلف مقاصد کے لیے زمزم نوش کیا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے، میں نے طلبِ حدیث کے زمانہ میں اس نیت سے زمزم نوش کیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے علمِ حدیث میں حافظ ذہبی جیسا رتبہ ومقام عطا فرمائے، بیس سال کے بعد دوبارہ حج کے لیے گیا تو الحمدللہ مجھے علمِ حدیث میں وہ کمال حاصل ہو چکا تھا، پھر میں نے اس سے زیادتی کی دعا کی ہے، ان شاءاللہ وہ بھی قبول ہو جائے گی''۔

علامہ ابنِ ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مَیں نے ایمان واعمال پر استقامت اور خاتمہ بالخیر کی نیت سے زمزم نوش کیا۔(فتح القدير، كتاب الحج، باب الاحرام، فصل في فضل ماء زمزم:۲/۵۲۱)

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے آبِ زمزم کئی اَمراض سے نجات حاصل ہونے کی نیت سے پیا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل سے ان امراض سے نجات عطا فرمائی اور کہتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں مجھ پر ایسا وقت گزرا ہے کہ میں مریض تھا اور نہ طبیب میسر تھا اور نہ دواء موجود تھی، پس میں آبِ زمزم شفاء کی نیت سے پیتا تھا اور زمزم پیتے ہوئے (قرآنِ کریم کی آیت) ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ پڑھتا تھا اور بار بار ایسا ہی کرتا تھا، پس مجھے مکمل شفاء حاصل ہوگئی، پھر میں نے ماءِ زمزم بہت سی بیماریوں کے لیے پیا، پس مجھے بہت زیادہ فائدہ ہوا۔ (زادالمعاد، الطب النبوي، رقية اللديغ بالفاتحة:۳/۱۶۶)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حافظ ابنِ خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کہاں سے (اتنا زیادہ) علم حاصل ہوا؟ انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''ماء زمزم لما شرب له'' (یعنی ماءِ زمزم جس نیت سے پیا جائے وہ پورا ہو جاتا ہے)، سو میں نے اس نیت سے سورۃ الفاتحہ اور زمزم پیا کہ اللہ مجھے علم نافع عطا فرما دیجیے۔ (سیر اعلام النبلاء ابنِ خزیمہ:۱۱/۲۲۸)

خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب میں حج کے لیے گیا تو تین مرتبہ زمزم پیا اور تین دعائیں کیں، پہلی دعا: تاریخِ بغداد مرتّب کرنے کی توفیق مانگی، دوسری دعا جامع منصور میں درسِ حدیث کی توفیق مانگی اور تیسری دعا مشہور اللہ کے ولی بشر حافی رحمہ اللہ کے پہلو میں تدفین کی دعا کی، اللہ تعالیٰ نے خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی یہ تینوں خواہشیں پوری فرمائیں۔ (سیر اعلام النبلاء:۱۳/۴۲۳)

تذکرۂ اولیاء

حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کا مقام اُن کے مشائخ کی نگاہ میں

ازقلم: مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب، سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

قطب عالم حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ خانوادۂ سادات سے تعلق رکھتے تھے، اور پیرانِ پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں تھے، آپ کے دادا حضرت سید شاہ غوث علیؒ اپنے دَور کے بڑے بزرگ اور صاحبِ نسبت شخص تھے، ان بزرگوں کی برکت اور پاکیزہ خون کا یہ اثر تھا کہ ابتدائے شعور ہی سے حضرت مونگیریؒ کو ذکر وفکر سے خاص مناسبت اور تعلق مع اللہ کے حصول کی فکر تھی، یہی وجہ ہے کہ بہت کم عمری میں آپ حضرت مولانا شاہ کرامت علی قادریؒ سے مرید ہوئے اور سلسلۂ قادریہ میں ذکر وفکر کی تعلیم لی، حضرت شاہ کرامت علی قادری صاحبؒ اپنے ہم عصروں میں ممتاز مقام رکھتے تھے اور روحانیت کے اونچے درجے پر فائز تھے، اللہ کی مرضی کہ حضرت مونگیریؒ کے بیعت ہونے کے صرف دس مہینے کے بعد حضرت شاہ صاحب کا وصال ہوگیا، اگرچہ کہ یہ حضرت مونگیری کے عنفوانِ شباب کا واقعہ ہے؛ لیکن جو آثار سعادت ومعرفت آپ پر نمایاں تھے، انہیں دیکھ کر حضرت شاہ صاحبؒ آپ پر خاص خصوصی شفقت فرمائے، یہی وجہ ہے کہ جب شاہ صاحبؒ بیمار ہوئے اور حضرت مونگیریؒ نے ان سے دعا کی گزارش کی، تو ارشاد فرمایا: ''تمہارے لیے دعا کی حاجت نہیں ہے''، حضرت شاہ صاحب جیسے بڑے بزرگ کا یہ جملہ بتاتا ہے کہ ان کی نگاہ میں حضرت مونگیریؒ نے بیعت واسترشاد کا تعلق اپنے رنگ کے منفرد بزرگ، حضرت شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادیؒ سے قائم فرمایا اور لانبے عرصے تک اعلیٰ حضرتؒ سے استفادہ فرمایا، اعلیٰ حضرت کی خصوصی توجہات وعنایات آپ کو حاصل تھیں۔

حضرت مونگیریؒ نے اعلیٰ حضرت شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادیؒ سے لانبے عرصے تک استفادہ فرمایا اور خود اعلیٰ حضرتؒ کی خصوصی توجہات آپ کو حاصل تھیں، یہی وجہ ہے کہ کم عمری ہی میں اعلیٰ حضرت نے آپ کو خلافت واجازت بیعت سے نوازا اور آپ کے بارے میں ایسے بلند الفاظ وکلمات ارشاد فرمائے جنہیں پڑھ کر رشک آتا ہے۔ حضرت مولانا شاہ تجمل حسین بہاریؒ (خلیفۂ اعلیٰ حضرت نے ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت سے دریافت کیا: مولانا محمد علی آپ کے خلیفہ ہیں؟ یہ سوال سن کر اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ: ''ہم اس قابل نہیں ہیں کہ ان کو خلیفہ کہیں، وہ بڑے شخص ہیں۔'' (کمالاتِ رحمانی: ص/۴۶) اسی طرح اعلیٰ حضرت کے ایک مرید اور خادم حافظ عبدالرزاق نے

بھی حضرت مونگیریؒ کی خلافت کی بابت سوال کیا، تو اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا: ''ہاں! ہم نے اللہ کا نام بتانے کی اجازت دی ہے، کون بڑی بات کی ہے؟ ان کی روح ارواح متقدمین میں سے ہے، ایسے لوگ ہر زمانے میں کم ہوتے ہیں۔'' کمالاتِ محمدیہ میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مونگیریؒ اعلیٰ حضرتؒ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، آپ نے حاضرین سے پوچھا: کون ہے؟ صاحبزادے نے عرض کیا: مولوی محمد علی۔ ارشاد ہوا: ہمارے مولوی محمد علی؟ اس کے بعد ارشاد فرمایا: وہ آئیں نہ آئیں ہر وقت میرے پاس ہیں۔ (کمالاتِ محمدیہ)

کمالاتِ محمدیہ ہی میں یہ واقعہ بھی درج ہے کہ: اعلیٰ حضرتؒ نے ایک دن فرمایا کہ ہمارے مولوی محمد علی بڑے غنی ہیں۔ ایک صاحب نے عرض کیا حضرت بہت روپئے والے ہیں؟ ارشاد ہوا: تم بڑے احمق ہو، روپئے سے کہیں غنی ہوتا ہے، **الغنی غنی النفس**۔ (کمالاتِ محمدیہ: ص/۵۸)

حضرت شاہ فضل رحماں گنج مرادآبادیؒ نے حضرت مونگیریؒ کے سلسلے میں زبانی طور پر بڑے اونچے الفاظ کا استعمال تو فرمایا ہی، بعض خطوط میں بھی آپ نے ایسے جملے تحریر فرماتے ہیں جن سے حضرت مونگیریؒ کے مقام ومرتبے کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے؛ چنانچہ ایک اُردو اور ایک فارسی خط کے چند جملے یہاں نقل کیے جارہے ہیں، خیر! اللہ شاہ تم سے تکرار کرتا ہے، تمہارے مرتبہ کو نہیں جانتا ہے اس بات کا خیال نہ کرو، ایک زمانہ ہوگا کہ کثیر خلقت تمہارے پاس آکر مرید ہوگی اور تم سے فیض ہوگا، اور تعلیم پاوینگے۔ (کمالات رحمانی، ص:۴۵)

ایک دوسرے خط میں اعلیٰ حضرتؒ تحریر فرماتے ہیں: **الحمدللّٰہ علیٰ نعمائہ علینا وعلیکم**، قربِ جانی را قربِ مکانی درکار نیست، حق تعالیٰ شمارا دائماً خوش وبعافیت دارد۔ (اللہ تعالیٰ کا ہزار بار شکر ہے ان نعمتوں پر جو ہم پر اور آپ پر ہیں، جسے قربِ جانی حاصل ہوا سے قربِ مکانی کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ بعافیت اور خوش رکھے)۔ (کمالات محمدیہ، ص:۱۸)

حضرت مونگیریؒ کے بلند مقام اور ان کے روحانی کمالات کا اعتراف واظہار نہ صرف یہ کہ ان کے مرشد اعلیٰ حضرت شاہ فضل رحماںؒ نے فرمایا؛ بلکہ اس دَور کے اکابر صوفیائے کرام اور اہل اللہ نے اس کا اقرار واعلان کیا؛ چنانچہ اپنے دَور کے عظیم بزرگ، اکابرینِ دیوبند کے مرشد، دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے روحانی سرپرست حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے حضرت مونگیریؒ کو چاروں سلسلوں میں اجازتِ بیعت عطا فرمائی اور خرقۂ خلافت سے نوازا۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے جو خطوط حضرت مونگیریؒ کے نام لکھے ہیں اور جیسے بلند الفاظ وکلمات ان کے لیے استعمال فرمائے ہیں اُن سے بھی حضرت مونگیریؒ کے بلند مقام کا کچھ اندازہ ہوتا ہے، یہاں نمونے کے طور پر صرف ایک خط کے چند جملے درج کیے جارہے ہیں۔

ازفقیر امداد اللہ عفاء اللہ عنہ بخدمت فیض درجت سراپا فیض و برکت عزیزم جناب مولانا محمد علی صاحب متّع اللہ المسلمین بطول حیاتہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ،عنایت نامہ فیض شامہ بحالتِ انتظار بعد زمانہ بسیار موجب برکت وباعث سرور خاطر فقیر ہوا اللہ تعالیٰ آپ کو بدیں یاد آوری مکروہات دارین سے محفوظ رکھ کر اپنے صدیقین مقربین کے زمرہ میں داخل کراوے۔

چند سطروں کے بعد مزید تحریر فرمایا:

اور ضیاء القلوب وغیرہ کی قبیل سے اجازت ہے اور بھی جسے قابل سمجھیں اس کو بتلا دیں آپ نے جو یہ رقم فرمایا ہے کہ نقشبندیہ قادریہ کے علاوہ اور خاندان میں تمہارے طرف سے بیعت کرتا ہوں یہ سن کر بڑی خوشی حاصل ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ کو بزرگان واولیاء اللہ کے انوار وفیوض وبرکات پہنچانے کا طریقہ وسیلہ خلق کو کرے۔

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مونگیریؒ کو ان کے مشائخ ومرشدین کس نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کے مقام بلند کی وجہ سے کس درجہ احترام واکرام کا معاملہ فرماتے تھے۔